ماہنامہ

التبلیغ

راولپنڈی

جلد 23 شمارہ 06

دسمبر 2025ء - جمادی الاخریٰ 1447ھ

جلد 23 شمارہ 06

ماہنامہ التبلیغ راولپنڈی

دسمبر 2025ء - جمادی الاخریٰ 1447ھ

بشرفِ دعا
حضرت نواب محمد عشرت علی خان قیصر صاحب رحمہ اللہ
وحضرت مولانا ڈاکٹر تنویر احمد خان صاحب رحمہ اللہ

مدیر
مفتی محمد رضوان

ناظم
مولانا عبدالسلام

مجلسِ مشاورت
مفتی محمد ناصر
مولانا طارق محمود

فی شمارہ................... 50 روپے
سالانہ................. 500 روپے

خط وکتابت کا پتہ
ماہنامہ التبلیغ پوسٹ بکس 959
راولپنڈی پوسٹ کوڈ 46000 پاکستان

پبلشرز
محمد رضوان
سرحد پرنٹنگ پریس، راولپنڈی

قانونی مشیر
محمد شرجیل جاوید چوہدری
ایڈوکیٹ ہائی کورٹ

مستقل رکنیت کے لئے اپنے مکمل ڈاک کے پتہ کے ساتھ سالانہ فیس صرف 500 روپے ارسال فرما کر گھر بیٹھے ہر ماہ ماہنامہ "التبلیغ" حاصل کیجئے

ڈاک کا پتہ تبدیل ہوجانے یا ماہنامہ موصول نہ ہونے کی صورت میں رکنیت نمبر کا حوالہ دے کر فوری اطلاع کریں

اس دائرہ میں سرخ نشان آپ کی رکنیت ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ شمارہ رکنیت فیس موصول ہونے پر ارسال کیا جاسکے گا

برائے رابطہ ...... ادارہ غفران ٹرسٹ چاہ سلطان گلی نمبر 17
عقب پٹرول پمپ وچھڑا گودام راولپنڈی صوبہ پنجاب پاکستان
مولانا عبدالسلام صاحب - 0333-5365831
www.idaraghufran.org
Email: idaraghufran@yahoo.com
www.facebook.com/Idara Ghufran

www.idaraghufran.org

ترتیب وتحریر

صفحہ

آئینۂ احوال.....کفراور سلام کے الگ الگ ملت ہونے کی تقسیم.......مفتی محمد رضوان 3

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط5)..........................ترکہ میں سے مرد اور عورتوں کی

میراث مقرر ہے...// // 6

درسِ حدیث.........................حجاج بن یوسف (قسط:5)..................// // 11

مقالات ومضامین: تزکیۂ نفس، اصلاحِ معاشرہ واصلاحِ معاملہ

افادات وملفوظات...مفتی محمد رضوان 15

علم کے مینار: ....فقہ مالکی، منہج، تلامذہ،

کتب، مختصر تعارف (چھتیسواں حصہ)...مفتی غلام بلال 17

تذکرۂ اولیاء:..عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت

کے جدید دنیا پر اثرات (حصہ:1)..مولانا محمد ریحان 21

پیارے بچو!..............................پڑوسی کی ڈھال..............................// // 23

بزمِ خواتین....زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ 15)....مفتی طلحہ مدثر 25

آپ کے دینی مسائل کا حل.........................گناہ پر اعانت اور گناہ

کے سبب کی تحقیق (قسط:5)...ادارہ 28

کیا آپ جانتے ہیں؟...''رسومِ افتاء واصولِ افتاء'' پر کلام (قسط10)....مفتی محمد رضوان 47

عبرت کدہ ....حضرت حزقیل علیہ السلام (قسط2).....مولانا طارق محمود 54

طب وصحت..........کان کی نعمت اوراس کے امراض.......حکیم مفتی محمد ناصر 57

اخبارِ ادارہ ....ادارہ کے شب وروز..............................// // 59

www.idaraghufran.org

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ احوال مفتی محمد رضوان

کفر اور سلام کے الگ الگ ملت ہونے کی تقسیم

جلیل القدر محدث حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں:

اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ، وَالْإِسْلَامُ مِلَّۃٌ (المصنف، لعبد الرزاق، رقم الحدیث ۱۰۲۳۴، شهادة أهل الكتاب بعضهم على بعض)

ترجمہ: کفر ایک ملت ہے، اور اسلام، ایک ملت ہے (عبدالرزاق)

مطلب یہ ہے کہ ملت و مذہب کے اعتبار سے تقسیم یہی ہے کہ تمام کفریہ و شرکیہ مذاہب ملتِ واحدہ اور ایک ملت ہیں، اور ان کے مقابلہ میں اسلام ایک الگ ملت ہے۔

اسی بنیاد پر مومن و کافر اور مسلم و غیر مسلم کا تقابل وجود میں آتا ہے۔

اسلام کی آمد کے بعد مسلمان، باہمی تمام تر اختلافات کے باوجود اسی بنیاد پر قائم رہے، اور کفار و مشرکین، یہود و نصاریٰ، وغیرہ کے برخلاف متحد ہوکر سیسہ پلائی دیوار بنے رہے، اور مسلمانوں کے باہمی اختلافات کو اپنی حدود و قیود میں رکھ کر اسلام کی عظمت و سربلندی کے لئے مل کر کام کرتے رہے، اور ساتھ ہی محققین اہلُ السنۃ والجماعۃ علمی و تحقیقی جہات سے بھی تمام اہلِ اھواء و اہلِ بدعت فرقوں کے خلاف اصلاحی خدمات سرانجام دیتے رہے، جس کے نتیجہ میں ہمیشہ اہلِ اھواء و اہلِ بدعت فرقے زور نہ پکڑ سکے، بلکہ اکثر و بیشتر تو فناء و ختم ہوتے چلے گئے، اور اہلُ السنۃ والجماعۃ نے آپس کے اجتہادی نوعیت کے اختلافات پر بھی منصفانہ تحقیقات و تالیفات کا کام جاری رکھا، جس کے نتیجے میں تمام مذاہب اپنے اپنے طور پر، ایک دوسرے کے ساتھ باہمی محبت و مودت کے ساتھ، فقہی مذاہب پر عمل پیرا رہے۔

لیکن رفتہ رفتہ مسلمانوں کے ملتِ واحدہ ہونے کی یہ بنیاد کمزور پڑنی شروع ہوگئی، اور مسلمان آپس میں ہی دست و گریبان ہونے لگے، باہمی خونریزیوں، اور فتنہ و فسادات کی گہری سازشوں میں

گھرتے چلے گئے، ذرا ذرا سی باتوں پر تقسیم ہونے لگے، رات ودن کا موضوعِ بحث ہی دوسرے مسلمان بن کر رہ گئے، جن کے متعلق کفر اور گمراہی کے فتوے جاری کئے جانے لگے، اور بات بات پر مارکاٹ کا بازار گرم کیا جانے لگا۔

آج کے ان بدقسمت مسلمانوں کی یہ حالت ہے کہ وہ خود ہی اپنے مسلمان بھائیوں کو زیر اور نیست ونابود کرنے پر کمربستہ دکھائی دیتے ہیں، جگہ جگہ ایک دوسرے کے ساتھ دست وگریباں ہیں۔

اور جن کے پاس تھوڑا بہت دین کا علم ہے، اور منبر ومحراب تک ان کو رسائی حاصل ہے، وہ دین کی سب سے عظیم خدمت اس کو خیال کرتے ہیں کہ اپنے مدمقابل مسلمانوں کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیں، اور زیادہ زور نہ چل سکے، تو کم از کم ان کو گمراہ اور جہنمی ہونے کے فتووں سے تو سرفراز فرما ہی دیں، بے شک ان کے سامنے زندگی بھر بیٹھنے اور ان کو سننے والے مخاطبین کی نماز، روزہ صحیح ہو، یا نہ ہو، ان کے روزمرہ کے فرائض منصبی پورے ہوں، یا نہ ہوں؟ حقوق العباد اور حقوق اللہ کی صحیح طور پر ادائیگی ہو، یا نہ ہو؟ ان چیزوں کی طرف توجہ کی ضرورت نہیں سمجھی جاتی۔

اس صورتِ حال کے نتیجہ میں مسلمانوں کی اکثریت، اسلام کے ارکان کی ادائیگی سے قاصر، اور ضروری وفرض درجہ کے علم سے بھی ناواقف نظر آتی ہے، اور مسلم معاشرہ میں روزمرہ کی زندگی میں مسلمہ محرمات کا جو ایک طوفان ہر طرف برپا ہے، اس کا تو پوچھنا ہی کیا، فرائضِ منصبی میں کوتاہی اور محرمات میں مبتلاء ہونے کی حالت میں بھی جگہ جگہ مجالس ومحافل میں ایک دوسرے کے خلاف زبان درازی میں ہر ایک اسی طرح پیش پیش نظر آتا ہے، جس طرح وہ اپنے مذہبی قائدین سے سبق سیکھ کر آتا ہے، اور پھر اسی میں الجھ کر اس گتھی کو سلجھانے کے چکر میں تیلی کے بیل کی طرح زندگی بھر چکر کاٹ کر دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔

اور یہ کوئی قصہ وکہانی نہیں، بلکہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے، جس کا کھلی آنکھوں ہر انصاف پرست شخص مشاہدہ کرسکتا ہے۔

چنانچہ ہم نے بے شمار ایسے لوگوں کو جن کو پابندی سے فرض نمازیں تک پڑھنے کی بھی توفیق حاصل

نہیں، روزہ، زکاۃ وغیرہ کی صحیح ادائیگی تو دور کی بات ہے، یہ پوچھتے ہوئے سنا ہے کہ فلاں کے پیچھے نماز ہوجاتی ہے، یا نہیں؟ اگر ان کو جواب دیا جائے کہ ہوجاتی ہے، اگرچہ مکروہ ہوتی ہے، تو یہ سن کر ان کو اس لئے تسلی نہیں ہوتی کہ انہوں نے اپنے قائدین اور متبوعین سے ان کے خلاف کفر وگمراہی کے فتوے سنے ہوئے ہوتے ہیں، اور یہ بھی کہ فلاں فلاں فرقوں کے عقائد قرآن وسنت اور اجماعِ امت کے صریح خلاف ہیں، اور وہ کفر وشرک اور گمراہی میں مبتلاء ہیں، ایسے میں ان کی اقتداء میں نماز درست ہونے کی بات کیسے بآسانی ہضم ہوسکتی ہے۔

اسی طرح بات بات پر ایک دوسرے کو کافر وگمراہ قرار دینے، اور مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل کرنے کو آج کے دور میں ایک مذہبی وعلمی طبقہ نے بہت بڑا مشغلہ، بلکہ بعض لوگوں نے پیشہ بنالیا ہے، جس پر ان کو اپنے مخاطبین سے خوب دادوہش حاصل ہوتی ہے، اور جب دین کے کسی شعبہ کو پیشہ بنالیا جائے، تو پھر اصل دین کی روح کہاں باقی رہ سکتی ہے۔

اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ آج کے دور میں مسلمانوں کی مذہبی ودینی جدوجہد کا دائرہ کس حد تک تنگ ہوکر رہ گیا ہے کہ انہوں نے آپس کے باہمی اختلافات، یہاں تک کہ بعض فروعی واجتہادی نوعیت کے اختلافات کو ہی اصل جہاد اور اپنی تحریکات کا بنیادی محور بنالیا ہے، اور مسلمانوں کے ملتِ واحدہ ہونے کے اصول سے توجہ ہٹالی گئی ہے، اور دوسری طرف تمام تر کفار ایک ملت بن کر مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں۔

ان حالات میں ضرورت ہے کہ کفر اور اسلام کے الگ الگ ملت ہونے، اور تمام مسلمانوں کے ملتِ واحدہ سے منسلک ہونے کی طرف توجہ کی جائے، اور آپس کے باہمی اختلافات کو ختم، یا کم کیا جائے، یا کم ازکم ان کو اپنی حدود میں رکھا جائے، اور ایک دوسرے کے خلاف کفر وگمراہی کی فتویٰ بازی سے اجتناب کیا جائے، تب ہی مسلمان دنیا میں فروں کی طرف سے پیش آنے والی ذلت ورسوائی سے بچ سکتے ہیں، ساتھ ہی آخرت کے اس عظیم وبال سے بھی محفوظ رہ سکتے ہیں، جو مسلمان کی تکفیر وتحقیر کرنے پر مرتب ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ امتِ مسلمہ کو اصولِ شریعت کے مطابق متحد ومتفق ہونے کی توفیق عطاء فرمائے۔ آمین۔

درسِ قرآن (سورہ نساء: قسط:05، آیت نمبر7)　مفتی محمد رضوان

ترکہ میں سے مرد اور عورتوں کی میراث مقرر ہے

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا (سورة النساء، رقم الآية ٧)

ترجمہ: مرد حضرات کے لئے حصہ ہے، اس (مال) میں سے جو چھوڑا، والدین نے اور رشتہ داروں نے، اور عورتوں کے لئے حصہ ہے، اس (مال) میں سے جو چھوڑا، والدین نے اور رشتہ داروں نے، اس (مال) میں سے جو تھوڑا ہو، یا زیادہ ہو، حصہ مقرر شدہ ہے (7) (سورہ نساء)

تفسیر وتشریح

اس سے پہلے سورہ نساء میں انسانی حقوق، اور خاص طور پر عائلی، خاندانی اور مالی حقوق کا بیان چل رہا تھا، جن میں عورتوں اور یتیموں کے حقوق کا خصوصیت کے ساتھ اس لئے ذکر کیا گیا کہ یہ افراد معاشرہ میں دوسرے افراد کے مقابلہ میں ضعیف وکمزور سمجھے جاتے ہیں، جن کے حقوق کو دبانا اور ضائع کرنا، دوسرے افراد کے مقابلہ میں زیادہ آسان ہوتا ہے۔

اب سورہ نساء کی مذکورہ آیت میں مرد اور عورتوں کے لئے فوت ہونے والے والدین اور دوسرے عزیز واقارب کی طرف سے ترکہ میں سے حاصل ہونے والی میراث کا بیان کیا گیا ہے، اور بتلایا گیا ہے کہ فوت ہونے والے والدین اور دوسرے عزیز واقارب کے ترکہ میں سے مرد حضرات کے لئے بھی اللہ کی طرف سے حصہ مقرر کردیا گیا ہے، اور عورتوں کے لئے بھی حصہ مقرر کردیا گیا ہے، جس میں نہ تو خود سے کسی کو میراث دینے، یا نہ دینے کا اختیار حاصل ہے، اور نہ ہی اپنی طرف سے اس مقررہ حصہ میں کمی، بیشی کرنے کا اختیار حاصل ہے، اور فوت ہونے والے کا جو بھی متروکہ مال ہو، خواہ وہ تھوڑی مقدار میں ہو، یا زیادہ مقدار میں ہو، اس میں بہرحال مقررہ میراث دینا لازم

ہے، اگر کوئی اس کی خلاف ورزی کرے گا، تو وہ گناہ گار ہوگا۔

اللہ کی طرف سے طے شدہ میراث ایک اسلامی فریضہ اور عبادت ہے، اسی لئے اس میں کافر رشتہ داروں کی مسلمانوں کے ساتھ شراکت داری درست نہیں ہے، کفار اپنے طریقوں کے مطابق عمل کے مکلّف ہیں۔

فوت شدہ مرد، یا عورت کے میراث کے، ان کے رشتہ داروں کو حاصل ہونے والے حصوں کی مقدار اور تفصیل آگے آتی ہے۔

ابھی اسی سلسلہ میں چند احادیث ملاحظہ کرلی جائے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

جَاءَنَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُنِي مِنْ وَجَعٍ اشْتَدَّ بِي، زَمَنَ حَجَّةِ الوَدَاعِ، فَقُلْتُ :بَلَغَ بِي مَا تَرَى، وَأَنَا ذُو مَالٍ، وَلاَ يَرِثُنِي إِلَّا ابْنَةٌ لِي، أَفَأَتَصَدَّقُ بِثُلُثَيْ مَالِي؟ قَالَ :لاَ قُلْتُ :بِالشَّطْرِ؟ قَالَ :لاَ قُلْتُ : الثُّلُثُ؟ قَالَ :الثُّلُثُ كَثِيرٌ، أَنْ تَدَعَ وَرَثَتَكَ أَغْنِيَاءَ خَيْرٌ مِنْ أَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُونَ النَّاسَ، وَلَنْ تُنْفِقَ نَفَقَةً تَبْتَغِي بِهَا وَجْهَ اللَّهِ إِلَّا أُجِرْتَ عَلَيْهَا، حَتَّى مَا تَجْعَلُ فِي فِي امْرَأَتِكَ (صحیح البخاری،رقم الحدیث٥٦٦٨)

ترجمہ: ہمارے پاس میرے درد کی شدت کی وجہ سے، عیادت کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع کے موقع پر تشریف لائے، تو میں نے عرض کیا کہ میری یہ حالت ہوگئی ہے، جو آپ دیکھ رہے ہیں، اور میں مال والا آدمی ہوں، اور میری وارث میری ایک ہی بیٹی ہے، تو کیا میں اپنا دو تہائی مال صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ پھر آدھا مال صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نہیں، میں نے عرض کیا کہ پھر تہائی مال صدقہ کردوں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی بہت ہے، تم اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑ کر جاؤ، یہ اس سے بہتر ہے کہ تم ان کو کنگال چھوڑ کر جاؤ، جو لوگوں کے دست نگر بنے پھریں، اور تم ہرگز کوئی خرچ، اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو، تو اس پر آپ

کو اجر وثواب عطاء کیا جاتا ہے، یہاں تک کہ جو لقمہ تم اپنی بیوی کے منہ میں رکھتے ہو، اس پر بھی جر وثواب عطاء کیا جاتا ہے(بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ وارثوں کے لیے مال چھوڑ کر جانا، اور انہیں دوسروں کا محتاج بننے سے بچانا بھی ثواب وعبادت ہے، اور اپنے کل مال میں سے ایک تہائی تک، وصیت کرنا درست ہے۔

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ :لاَ يَرِثُ الْمُسْلِمُ الكَافِرَ وَلاَ الكَافِرُ الْمُسْلِمَ(صحيح البخاري،رقم الحديث ٦٧٦٤)

ترجمہ: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان، کافر کا وارث نہیں ہوتا، اور نہ ہی کافر، مسلمان کا وارث ہوتا(بخاری)

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام میں وراثت، ایسی عبادت ہے، جس میں کافر رشتہ دار کی شرکت ونیابت نہیں ہوتی، نہ تو وہ مسلمان کا وارث ہوتا، اور نہ مسلمان اس کا وارث بنتا۔

اور حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :اقْسِمُوا الْمَالَ بَيْنَ أَهْلِ الْفَرَائِضِ عَلَى كِتَابِ اللهِ، فَمَا تَرَكَتِ الْفَرَائِضُ فَلِأَوْلَى رَجُلٍ ذَكَرٍ(صحيح مسلم،رقم الحديث ١٦١٥ "٤")

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ کی کتاب (یعنی قرآن مجید) کے مطابق (میراث کے) مال کو اہلِ فرائض (یعنی جن کے اللہ کی طرف سے حصے مقرر کئے گئے ہیں، ان) کے درمیان تقسیم کرو،، پھر جو مال ان فرائض والوں سے بچے، تو وہ مرنے والے آدمی کے نرینہ قریبی رشتہ دار کے لئے ہوگا(مسلم)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی طرف سے، جن رشتہ داروں کے حصے مقرر ہیں، اور وہ ذوی الفروض کہلاتے ہیں، جن کا ذکر آگے آتا ہے، اس کے مطابق ہی میراث کا حصہ دینا ضروری ہے۔

اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

سَمِعْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ :إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ فَلَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ(سنن ابی داود،رقم الحديث ۲۸۷۰،باب فی الوصيةِ للوارث) [۱]

ترجمہ: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطاء فرمادیا ہے،پس وارث کے لئے (مال کی) وصیت نہیں ہے (وارث کے لئے وصیت کے بجائے،اس کا میراث والا حصہ ہی ہے) (ابوداود)

اس سے معلوم ہوا کہ وارث کے لیے،وصیت معتبر نہیں،کیونکہ وارث کے لیے میراث مقرر ہے۔

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

إِنِّي لَتَحْتَ نَاقَةِ رَسُولِ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ -يَسِيلُ عَلَيَّ لُغَامُهَا، فَسَمِعْتُهُ يَقُولُ" :إِنَّ اللَّهَ قَدْ أَعْطَى كُلَّ ذِي حَقٍّ حَقَّهُ، أَلَا لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ(سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث،۲۷۱۴،بَاب لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ) [۲]

ترجمہ: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کے (منہ کے) نیچے تھا،جس کا تھوک میرے اوپر بہہ کر گر رہا تھا،اس حالت میں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ نے ہر حق دار کو اس کا حق عطاء فرمادیا ہے،پس وارث کے لئے (مال کی) وصیت نہیں ہے (وارث کے لئے وصیت کے بجائے،اس کا میراث والا حصہ ہی ہے) (ابنِ ماجہ)

اور حضرت عمر بن خارجہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللَّهَ قَسَمَ لِكُلِّ وَارِثٍ نَصِيبَهُ مِنَ الْمِيرَاثِ، فَلَا يَجُوزُ لِوَارِثٍ وَصِيَّةٌ(سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث،۲۷۱۲،بَاب لَا وَصِيَّةَ لِوَارِثٍ) [۳]

ترجمہ: اللہ نے ہر وارث کے لئے اس کے حصہ کی تقسیم فرمادی ہے،پس وارث کے

---

[۱] قال شعيب الأرنؤوط :حديث صحيح، وهذا إسناد حسن(حاشية سنن ابوداود)

[۲] قال شعيب الأرنؤوط :صحيح لغيره(حاشية سنن ابنِ ماجه)

[۳] قال شعيب الأرنؤوط :صحيح لغيره، وهذا إسناد حسن فی الشواهد(حاشية سنن ابنِ ماجه)

لئے (مال کی) وصیت جائز نہیں ہے (وارث کے لئے وصیت کے بجائے، اس کا میراث والا حصہ ہی ہے) (ابنِ ماجہ)

اس قسم کی احادیث سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ وراثت، اوراس کے اصولوں کی رعایت کرنے اوران کے مطابق عمل کرنے کی بڑی اہمیت ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ -صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" :-مَنْ عَاهَرَ أَمَةً أَوْ حُرَّةً، فَوَلَدُهُ وَلَدُ زِنًى، لَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ (سنن ابنِ ماجه،رقم الحديث ۲۷۴۵،بَاب فِي ادِّعَاءِ الْوَلَد) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کسی باندی، یا آزاد عورت سے زنا کیا، تو اس سے پیدا ہونے والا بچہ زنا والا بچہ ہے، جو نہ (تو زنا کرنے والے باپ کا) وارث ہوگا، اور نہ اس کی میراث (زنا کرنے والے کو) ملے گی (ابنِ ماجہ)

اورحضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

وَمَنِ ادَّعَى وَلَدَهُ مِنْ غَيْرِ رِشْدَةٍ، فَلَا يَرِثُ وَلَا يُورَثُ (مسند احمد،رقم الحديث ۳۴۱۶) [2]

اور جو شخص بغیر نکاح کے کسی بچے کو اپنی طرف منسوب کرنے کا دعوی کرتا ہے (اور یہ کہتا ہے کہ یہ میرا بچہ ہے، حالانکہ اس بچے کی ماں سے اس کا نکاح نہیں ہوا) تو وہ بچہ نہ تو اس کا وارث بنے گا اور نہ ہی اس کی میراث (اس دعویٰ کرنے والے کو) دی جائے گی (مسند احمد)

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ میراث کا سلسلہ جاری ہونے کے لئے حلال رشتہ داری کا پایا جانا ضروری ہے، اسی لئے زنا سے پیدا شدہ بچہ، اور لے پالک اور منہ بولی اولاد کے ساتھ بھی میراث حاصل ہونے کا سلسلہ قائم نہیں ہوتا۔

---

[1] قال شعيب الأرنؤوط :حديث حسن(حاشية سنن ابنِ ماجه)

[2] قال شعيب الأرنؤوط :حسن لغيره(حاشية مسند احمد)

درسِ حدیث

مفتی محمد رضوان

احادیثِ مبارکہ کی تفصیل وتشریح کا سلسلہ

حجاج بن یوسف (قسط:5)

بہر حال بعض احادیث وروایات میں مذکور کذاب سے ''مختار ثقفی'' کو مراد لیا گیا،اور''مبیر'' سے ''حجاج ثقفی'' کو مراد لیا گیا۔لیکن بعض احادیث کی رو سے ''حجاج ثقفی'' دراصل ''کذاب'' اور ''مبیر'' دونوں صفات سے متصف ہے۔

اور احادیث میں ''مختار ثقفی'' کو پہلے ،اور'' حجاج ثقفی'' کو بعد میں ذکر کیا گیا ہے،اور دوسرے کو پہلے سے زیادہ شروالا قرار دیا گیا ہے،اور متعدد صحابہ وتابعین نے بھی احادیث وروایات کی پیش گوئی سے زیادہ شر والے سے ''حجاج ثقفی'' کو ہی مراد لیا ہے۔

احادیث وراوایات کی یہ پیش گوئی اسی طرح سے پوری ہوکر رہی۔

''مختار ثقفی'' کی ولادت، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہجرت کے سال ہوئی،اس کے والد صحابی تھے،اور اس کی زوجہ بھی صحابی کی بیٹی تھیں،اور اس کی بہن حضرت ابنِ عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں۔اس کی کوفہ،عراق وغیرہ میں ڈیڑھ سال حکومت قائم رہی،اور اس کی وفات سڑسٹھ ہجری میں ہوئی،اس دوران ''مختار ثقفی'' نے حضرت حسین رضی اللہ عنہ اور آپ کے اصحاب ورفقاء کے قاتلین ''عبیداللہ بن زیاد ودیگر'' کو قتل کیا۔

'' حجاج ثقفی'' کی پیدائش چالیس، یا اکتالیس ہجری میں ہوئی،اور وفات پچانوے ہجری بتلائی جاتی ہے۔بنوامیہ میں یزید بن معاویہ کی بیعت سے عبداللہ بن زبیر اوران کے اصحاب نے انکار کیا،اوران حضرات نے مکہ کی طرف رحلت اختیار کی،یزید بن معاویہ کے بعد بنوامیہ کے''مروان بن حکم'' کو حکومت سپرد کی گئی، پھر عبدالملک بن مروان کو سپرد کی گئی،جس نے،اس امت کے مبیر اور ظالم ''حجاج بن یوسف ثقفی'' کو اپنا نمائندہ مقرر کیا۔

علامہ ابنِ تیمیہ فرماتے ہیں:

فلما مات يزيد بايع ابن الزبير طائفة من أهل الشام والعراق وغيرهم .
وتولى بعد يزيد ابنه معاوية بن يزيد ولم تطل أيامه ، بل أقام أربعين يوما أو
نحوها، وكان فيه صلاح وزهد، ولم يستخلف أحدا، فتأمر بعده مروان [بن
الحكم] على الشام، ولم تطل أيامه ، ثم تأمر بعده ابنه عبد الملك، وسار
إلى مصعب بن الزبير نائب أخيه على العراق، فقتله حتى ملك العراق،
وأرسل الحجاج إلى ابن الزبير [فحاصره] وقاتله، حتى قتل ابن الزبير،
واستوثق الأمر لعبد الملك، ثم لأولاده من بعده (منهاج السنة النبوية فی نقض
كلام الشيعة القدرية، ج۴،ص ۱۲۳ ، الفصل الثانی،كلام الرافضی علی يوم مقتل
الحسين رضی الله عنه والرد عليه)

ترجمہ: پھر جب یزید کی وفات ہوگئی، تو ابنِ زبیر سے شام اور عراق وغیرہ کے بعض لوگوں نے بیعت کرلی، اور یزید کے بعد اس کے بیٹے ''معاویہ بن یزید'' نے حکومت سنبھالی، لیکن اس کا دورِ حکومت زیادہ عرصہ نہیں ہوا، بلکہ وہ چالیس دن کے قریب رہا، اور اس میں نیکی اور زہد وعبادت پائی جاتی تھی، اور اس نے اپنے بعد کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا، پھر اس کے بعد مروان بن حکم (بن ابی العاص بن امیہ، جو بنوامیہ کی دوسری شاخ سے تھا) شام کا حکمران بنا، لیکن اس کا زمانہ بھی زیادہ عرصہ نہیں ہوا، پھر اس کے بعد اس کا بیٹا، عبدالملک حکمران بنا، اور وہ مصعب بن زبیر کی طرف گیا، جو اپنے بھائی (عبداللہ بن زبیر) کی طرف سے عراق میں نائب مقرر تھے، پھر عبد الملک نے ان کو قتل کردیا، اور عراق کی حکومت حاصل کرلی، اور حجاج بن یوسف کو (اپنا نمائندہ مقرر کرکے) عبداللہ بن زبیر کی طرف بھیجا، جس نے ان کا (مکہ میں) محاصرہ کرکے، ان سے قتال کیا، یہاں تک کہ ان کو قتل کردیا، اور اس طرح عبد الملک کی حکومت مضبوط ہوگئی، پھر اس کے بعد اس کی اولاد کی حکومت قائم ہوئی (منہاج السنہ)

حجاج بن یوسف ثقفی کی عراق اور مشرق میں ظالمانہ وجابرانہ حکومت و وزارت کا عرصہ بیس سال، یا اس سے بھی زیادہ عرصہ پر مشتمل رہا، جس نے ''عبداللہ بن زبیر، سعید بن جبیر، اور دیگر صحابہ وتابعین سمیت، لاکھوں بے گناہوں کو بے دردی، بے رحمی اور سفاکانہ طریقہ پر قتل ومحبوس کیا،

اورطرح طرح سے احکامِ الٰہی کو پامال کیا، اور ''العیاذ باللہ '' بیتُ اللہ کے ایک حصہ تک کو منہدم کردیا۔ [1]

ہمارے نزدیک مذکورہ دونوں شخصیات ہی بے اعتدالیوں کا شکار تھیں، کسی جہت سے ''حجاج ثقفی'' کی، اور کسی جہت سے ''مختار ثقفی'' کی بے اعتدالیاں زیادہ تھیں۔

اور بعض حضرات کی نظر میں ان دونوں شخصیات، بالخصوص ''حجاج ثقفی'' کی چند بے اعتدالیاں اس نوعیت کی تھیں، جو اُن کی نظر میں باعثِ کفر تھیں۔

لیکن چونکہ ان میں تاویل کا احتمال تھا، اور کفر کا حکم لگانے میں انتہائی درجہ کی احتیاط کا حکم ہے، اس لئے دیگر حضرات نے ان کی تکفیر نہیں کی۔

پس موجودہ زمانہ میں جو تعصب کی بنیاد پر ایک شخصیت کی سخت ترین، یا باعثِ تکفیر بے اعتدالیوں کو بروئے کار لایا جاتا ہے، اور دوسری شخصیت کی اس نوعیت کی بے اعتدالیوں میں تاویل کی جاتی ہے، اور اس طرح ایک دوسرے کے خلاف محاذ کھڑا کیا جاتا ہے، یہ معتدل طریقہ نہیں۔

امام بیہقی نے ''دلائلُ النبوۃ'' میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیان کردہ پیش گوئیوں کا ذکر کرتے ہوئے، ایک باب ''مبیر ثقفی'' سے حجاج بن یوسف مراد ہونے کا قائم کیا ہے، جس کے ضمن میں بعض احادیث تو وہی ذکر کی ہیں، جو پہلے گذریں، اسی کے ساتھ، حضرت عمر اور علی رضی اللہ عنہما کی بعض روایات سے بھی حجاج بن یوسف مراد ہونے کا حکم لگایا ہے، اور یہ بھی فرمایا کہ صحابۂ کرام ایسی باتیں خود سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنے بغیر نہیں فرما سکتے۔

اس موقع پر امام بیہقی نے دو اسناد کے ساتھ ایک روایت یہ بیان کی ہے کہ:

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اہلِ عراق کی بعض کوتاہیوں پر یہ دعاء کی کہ اے اللہ! ان لوگوں نے میرے ساتھ تلبیس کی ہے، تو اُن پر تلبیس فرما، اے اللہ! ان پر جلد ثقفی غلام

---

[1] معاوية رضی الله عنه لما ولی يزيد أنكر عبد الله بن الزبير وأصحابه أن يبايعوه ورحل عبد الله بن الزبير رضی الله عنه إلى مكة، فاستخلف بعده مروان، ثم عبد الملك، فولى عبد الملك الحجاج المبير ظالم هذه الأمة، فتولى قتل ابن الزبير رضی الله عنه وفعل ما فعل، وأحرق قرنا كبش إسماعيل عليه الصلاة والسلام، وتهدمت حصة من البيت أيضا، والعياذ بالله (فيض الباری علی صحيح البخاری، ج ۱، ص ۲۸۸، كتاب العلم، باب ليبلغ العلم الشاهد الغائب)

www.idaraghufran.org

کو مسلط فرما، جو ان کے متعلق جاہلیت والے فیصلے کرے، نہ تو ان کی اچھائیوں کو قبول کرے، اور نہ ان کی برائیوں کو درگذر کرے‘‘ ابوالیمان کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (احادیث کی روشنی میں) یہ بات جانتے تھے کہ ’’مبیر ثقفی‘‘ یعنی حجاج ضرور برآمد ہوگا، اس لئے انہوں نے اس علاقہ میں ہونے کی دعاء کی‘‘۔ انتھی۔ [1] (جاری ہے)

---

[1] وقد حذر أمير المؤمنين عمر بن الخطاب ثم أمير المؤمنين على بن أبى طالب رضى الله عنهما أمة محمد صلى الله عليه وسلم شأن الحجاج بن يوسف وأخبرا بخروجه ولا يقولان ذلك إلا توقيفا .أخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان ببغداد، أخبرنا عبد الله بن جعفر بن درستويه حدثنا يعقوب بن سفيان حدثنا أبو اليمان حدثنا جرير .(ح) وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ أخبرنا أبو النضر محمد بن محمد بن يوسف الفقيه حدثنا عثمان بن سعيد الدارمى، قال :قرأت على أبى اليمان أن جرير بن عثمان حدثه عن عبد الرحمن بن ميسرة بن أزهر عن أبى عذبة الحمصى، قال :قدمت على عمر بن الخطاب -رضى الله عنه -رابع أربعة من الشام ونحن حجاج، فبينا نحن عنده أتاه آت من قبل العراق فأخبره أنهم قد حصبوا إمامهم وقد كان عوضهم به مكان إمام كان قبله فحصبوه فخرج إلى الصلاة مغضبا فسها فى صلاته ثم أقبل على الناس فقال :من ها هنا من أهل الشام؟ فقمت أنا وأصحابى، فقال :يا أهل الشام تجهزوا لأهل العراق فإن الشيطان قد باض فيهم وفرخ .ثم قال :اللهم إنهم قد لبسوا على فألبس عليهم، اللهم عجل لهم الغلام الثقفى الذى يحكم فيهم بحكم الجاهلية لا يقبل من محسنهم ولا يتجاوز عن مسيئهم .زاد الدارمى فى روايته :قال أبو اليمان :علم عمر -رضى الله عنه -أن الحجاج خارج لا محالة .فلما أغضبوه استعجل لهم العقوبة التى لا بد لهم منها .قال عثمان :وقلت له إن هذا أحد البراهين فى أمر الحجاج قال:صدقت.

وأخبرنا أبو الحسين بن الفضل القطان، أخبرنا عبد الله بن جعفر، حدثنا يعقوب بن سفيان، حدثنا أبو صالح عبد الله بن صالح، قال :حدثنى معاوية ابن صالح .(ح) وأخبرنا أبو عبد الله الحافظ، أخبرنا أبو النضر حدثنا عثمان بن سعيد .قال عبد الله بن صالح المصرى :إن معاوية بن صالح حدثه عن شريح ابن عبيد عن أبى عذبة، قال :جاء رجل إلى عمر بن الخطاب فأخبره أن أهل العراق قد حصبوا أميرهم فخرج غضبان فصلى لنا الصلاة فسها فيها حتى جعل الناس يقولون سبحان الله سبحان الله فلما سلم أقبل على الناس فقال :من ها هنا من أهل الشام فقام رجل ثم قام آخر ثم قمت أنا ثالثا أو رابعا فقال :يا أهل الشام استعدوا لأهل العراق فإن الشيطان قد باض فيهم وفرخ اللهم إنهم قد لبسوا على فألبس عليهم وعجل عليهم بالغلام الثقفى يحكم فيهم بحكم الجاهلية لا يقبل من محسنهم ولا يتجاوز عن مسيئهم.زاد عثمان بن سعيد الدارمى فى روايته- قال عبد الله :وحدثنى ابن لهيعة بمثله .قال :وما ولد الحجاج يومئذ(دلائل النبوة،للبيهقى، ج٦، ص ٤٨٦، الى٤٨٨،جماع أبواب إخبار النبى صلى الله عليه وسلم بالكوائن بعده، وتصديق الله جل ثناؤه رسوله صلى الله عليه وسلم فى جميع ما وعده،باب ما جاء فى إخباره بالمبير الذى يخرج من ثقيف وتصديق الله سبحانه قوله فى الحجاج بن يوسف الثقفى غفر الله لنا ولجميع المسلمين)

قال الالبانی:أخرجه يعقوب الفسوى فى "المعرفة" (2/ 529 ، 754) عن شريح بن عبيد، و (2/ 755) عن عبد الرحمن بن ميسرة؛ كلاهما عنه.قلت :وهذا إسناد حسن :أبو عذبة؛ أورده ابن أبى حاتم برواية شريح عنه، ولم يذكر فيه جرحا ولا تعديلا؛ لكن قد روى عنه أيضا عبد الرحمن بن ميسرة؛ كما ترى، وذكره الفسوى فى ثقات التابعين المصريين .والله أعلم(سلسلة الأحاديث الضعيفة،تحت رقم الحديث ٥٥٢٠)

مقالات ومضامین　　　　مفتی محمد رضوان

افادات وملفوظات

معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت ورحمت

(15-ربیع الآخر-1447ھ)

علامہ ابنِ تیمیہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:

واتفق العلماء على أن معاوية أفضل ملوک هذه الأمة فإن الأربعة قبله كانوا خلفاء نبوة وهو أول الملوک؛ كان ملكه ملكا ورحمة كما جاء فى الحديث : يكون الملک نبوة ورحمة ثم تكون خلافة ورحمة ثم يكون ملک ورحمة ثم ملک وجبرية ثم ملک عضوض“

وكان فى ملكه من الرحمة والحلم ونفع المسلمين ما يعلم أنه كان خيرا من ملک غيره .وأما من قبله فكانوا خلفاء نبوة فإنه قد ثبت عنه النبى صلى الله عليه وسلم أنه قال :تكون خلافة النبوة ثلاثين سنة ثم تصير ملكا.

وكان أبو بكر وعمر وعثمان وعلى رضى الله عنهم هم الخلفاء الراشدون والأئمة المهديون الذين قال فيهم النبى صلى الله عليه وسلم "(عليكم بسنتي وسنة الخلفاء الراشدين من بعدى (مجموع الفتاوىٰ، ج۴،ص ۴۷۸،و ۴۷۹،مفصل اعتقاد السلف)

ترجمہ: اور علماء کا اس بات میں اتفاق ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، اس امت کے ملوکوں (وبادشاہوں) میں سب سے افضل ہیں، کیونکہ ان سے پہلے چار حضرات تو ”خلفاءِ نبوت“ تھے، اور حضرت معاویہ ملوکوں (وبادشاہوں) میں پہلے ہیں، آپ کی ملوکیت ”ملوکیت ورحمت“ تھی، جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ پہلے ”حکومتِ نبوت“ ہوگی، پھر ”خلافت ورحمت“ ہوگی، پھر ”ملوکیت ورحمت“ (یعنی رحمت والی بادشاہت) ہوگی، پھر ”ملوکیتِ جبریت“ (یعنی جبری بادشاہت ہوگی) ہوگی، پھر ملوکیتِ عضوض“ (یعنی مارکاٹ کرنے والی حکومت وبادشاہت) ہوگی۔

اور حضرت معاویہ کی حکومت میں رحمت اور حلم، اور مسلمانوں کا ایسا نفع تھا، جس کے

بارے میں معلوم ہے کہ وہ دوسرے ملوکوں (وبادشاہوں) سے بہتر تھی۔

اور جہاں تک آپ سے پہلے حضرات کا تعلق ہے، تو وہ ''خلفاءِ نبوت'' تھے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ حدیث ثابت ہے کہ ''خلافتِ نبوت'' تیس سال ہوگی، پھر بادشاہت ہوگی، اور حضرت ابوبکر وعمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم، خلفاءِ راشدین، اور ائمہ مہدیین تھے، جن کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ تم پر میری سنت، اور خلفائے راشدین کی سنت لازم ہے، میرے بعد (مجموع الفتاویٰ)

علامہ ابنِ تیمیہ نے جس حدیث کا ذکر کیا، وہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ سے اس طرح مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :أَوَّلُ هَذَا الْأَمْرِ نُبُوَّةٌ وَرَحْمَةٌ، ثُمَّ يَكُونُ خِلَافَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ مُلْكًا وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَكُونُ إِمَارَةً وَرَحْمَةً، ثُمَّ يَتَكَادَمُونَ عَلَيْهِ تَكَادُمَ الْحُمُرِ فَعَلَيْكُمْ بِالْجِهَادِ، وَإِنَّ أَفْضَلَ جِهَادِكُمُ الرِّبَاطُ، وَإِنَّ أَفْضَلَ رِبَاطِكُمْ عَسْقَلَانُ (المعجم الكبير للطبرانی، رقم الحديث ١١١٣٨) [1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس (اللہ کے) حکم کی ابتداء، نبوت ورحمت سے ہوئی، پھر اس کے بعد خلافت ورحمت ہوگی، پھر اس کے بعد بادشاہت ورحمت ہوگی، پھر اس کے بعد امارت ورحمت ہوگی، پھر اس کے بعد لوگ حکومت کے معاملہ پر ایک دوسرے کے خلاف گدھوں کی طرح چڑھ دوڑیں گے، تو ایسی صورت میں تم جہاد کو لازم پکڑ لینا، اور تمہارا افضل جہاد سرحدوں کی حفاظت ہوگا، اور تمہاری افضل سرحد عسقلان ہوگی (طبرانی)

اس حدیث میں خلافت ورحمت کے بعد، بادشاہت ورحمت، اور امارت ورحمت کا ذکر ہے، اور اس رحمت کے مصداق میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی حکومت بھی داخل ہے۔

---

[1] قال الهيثمی: رواه الطبرانی ورجاله ثقات (مجمع الزوائد، رقم الحديث ٨٩٦٤، باب كيف بدأت الإمامة وما تصير إليه والخلافة والملك)

علم کے مینار (امت کے علماء وفقہاء: قسط58) مفتی غلام بلال

مسلمانوں کے علمی کارناموں وکاوشوں پر مشتمل سلسلہ

فقہ مالکی، منہج، تلامذہ، کتب، مختصر تعارف (چھتیسواں حصہ)

مختصر تعارف:

گزشتہ اقساط میں فقہ مالکی کا مختصر تعارف ومنہج، امام مالک رحمہ اللہ کی مختصر سوانح حیات، شیوخ و اساتذہ اور چند کبار تلامذہ واصحاب کا ذکر کیا گیا، جن کا تعلق دوسری یا تیسری صدی ہجری سے تھا۔

جس کے بعد اُن مالکی اصحاب کا ذکر کیا گیا، جن کا تعلق چوتھی صدی ہجری کے بعد سے موجودہ زمانہ تک ہے، جو کہ جدید دور کے علماء واصحاب کہلاتے ہیں، یا جنھوں نے فقہ مالکی کو جدید خطوط پر استوار کرتے ہوئے، دیگر ممالک تک اس مسلک ومنہج کی نشر واشاعت کی، ان اصحاب کا تعلق لگ بھگ چوتھی صدی ہجری سے شروع ہوتا ہے۔

جن میں سے مشہور مالکی امام ''ابنِ عبدالبر قرطبی'' (متوفی:463ہجری) اوران کے بعد کے دیگر علماء جیسا کہ ''علامہ ابنِ رشد قرطبی، قاضی عیاض مالکی، شیخ ابو الولید الباجی، ابوبکر ابن العربی، قاضی ابو بکر باقلانی، ابو الحسن اللخمی، ابنِ دقیق العید، ابو اسحاق الشاطبی، ابن فرحون مالکی، علامة ابن خلدون، تقی الدین الفاسی'' اور ''شیخ خلیل بن اسحاق مالکی'' (مختصر الخلیل کے مصنف) جیسے جلیل القدر علماء وفقہاء کا ذکر ماقبل میں گزر چکا ہے، جن کا شمار متاخرین مالکیہ میں جلیل القدر علماء وفقہاء کے طور پر ہوتا ہے، اور مالکی فقہ میں ان کی تالیف کردہ کتب، فتاویٰ اور مختصرات متون کا درجہ رکھتی ہے، جن پر بعد کے ادوار سے موجودہ زمانے تک متعدد شروحات وحواشی لکھے جاتے رہے، اوراس حیثیت سے یہ زمانہ ''شارحین ومحشین'' حضرات کا زمانہ کہلاتا ہے، جس میں مالکی فقہ کی معتبر کتب اور مختصرات کے دقیق اوراہم مسائل کو جمع کیا گیا، اوران کی شروحات وحواشی لکھے گئے، اور مالکی فقہ کو جدید خطوط پر استوار کرتے ہوئے، اس کا دائرہ کاران مصنفین نے اپنے اپنے ملکوں اور دور دراز کے علاقوں

تک بڑھایا، ذیل میں ان چند علمی ہستیوں کا مختصر تعارف ذکر کیا جاتا ہے۔

(19)......محمد بن عبداللّٰہ الخرشی المالکی

’’شیخ محمد بن عبداللہ الخرشی‘‘ مالکی فقہ کے بڑے امام، شارح مختصر خلیل، اور جامع الازہر کے پہلے شیخ تھے، جن کا پورا نام ’’الامام ابو عبداللّٰہ محمد بن عبداللّٰہ بن محمد الخرشی المالکی الازھری ‘‘ ہے، فقہ مالکی کی نصوص میں آپ کا نام ’’الخرشی ‘‘ کے طور پر زیادہ مشہور ہے، ولادت 1010ھ کے قریب قاہرہ (مصر) میں ہوئی۔

علمی مقام

امام خرشی فقہ مالکی کے وہ پہلے عالم ہیں، جنہیں باقاعدہ ’’شیخ الازہر‘‘ کا منصب دیا گیا، اس حیثیت سے شیخ خرشی تاریخی طور پر ’’الازہر یونیورسٹی‘‘ کی قیادت کے اولین سربراہ مانے جاتے ہیں۔

امام خرشی مالکی فقہ کے عظیم شارحین میں سے ہیں، اور مالکیہ کے سرفہرست متاخرین میں شمار ہوتے ہیں، ان کی شہرت کی بنیادی وجہ ’’شرح الخرشی علی مختصر خلیل‘‘ ہے، جس کو ’’شرح کبریٰ‘‘ بھی کہا جاتا ہے، یہ مختصر خلیل کی سب سے اہم اور مستند شروحات میں شمار ہوتی ہے، مالکی دنیا میں ’’الخرشی‘‘ کے نام سے یہ شرح بہت زیادہ مشہور رہے، جو کہ کئی جلدوں پر مشتمل ہے، اور آج تک شاملِ تدریس ہے۔

جس کے بعد امام خرشی نے مختصر خلیل پر ہی ایک جامع عمدہ اور مختصر حاشیہ بھی لکھا، جسے ’’حاشیة الخرشی علی مختصر خلیل ‘‘اور’’حاشیہ صغریٰ‘‘ بھی کہا جاتا ہے، جو کہ مالکی فقہ میں انتہائی اہم مقام رکھتا ہے، اہلِ علم اسے ’’حاشیة الخرشی ‘‘ کے نام سے پہچانتے ہیں۔

اس کے علاوہ متعدد کتب، فتاویٰ اور تعلیقات بھی امام خرشی کی طرف منسوب ہیں، مگر ان سب میں آپ کی تالیف کردہ شرح اور حاشیہ نے آپ کو ایک نمایاں مقام عطاء کیا۔

چنانچہ مالکی فقہ کی نصوص میں آپ کے اقوال کو اعتماد کے ساتھ نقل کیا جاتا ہے، بعد کے حضرات جیسے شیخ حطاب المکی، عبدالباقی الزرقانی، احمد الدسوقی جیسے مالکی ائمہ نے ان کے اقوال کو بکثرت نقل کیا ہے، خاص طور پر مسائل، عبادات اور معاملات میں شیخ خرشی کی ترجیحات بہت اہم ہیں۔

آپ کی وفات ذی الحجہ 1101ھ (بمطابق 1690ء) میں ہوئی، اور الازہر (قاہرہ) میں دفن

کیے گئے(الاعلام للزرکلی، ج٦، ص ۲۴۱، تحت الترجمة: الخراشی)

(20)......علی الصعیدی العدوی

شیخ علی الصعیدی العدوی مالکی فقہ کے مشہور فقیہ، اصولی، اور شارحینِ مختصر خلیل والرسالۃ میں سے ہیں، ان کا نام عام طور فقہ مالکی کی کتابوں میں "الصعیدی العدوی" کے طور پر آتا ہے، جب کہ ان کا پورانام "علی بن احمد بن مکرم الصعیدی العدوی المالکی" ہے، ولادت کا سال 1112ھ ہے، شیخ الصعیدی العدوی اپنے زمانہ میں فقہائے مالکیہ کے شیخ الشیوخ اور جامعہ ازہر کے جلیل القدر علماء میں شامل تھے، حدیث اور علومِ حدیث میں بھی مہارت رکھتے تھے۔

شیخ علی صعیدی عدوی کا کام فقہ مالکی کے متون کی شروحات اور ان پر حاشیہ جات کے حوالے سے زیادہ جانا جاتا ہے، جن کی بناء پر ان کی شروحات اور حواشی نمایاں مقام رکھتے ہیں، بعد کے مالکی فقہاء ان کی اس خدمت پر مکمل اعتماد کرتے ہیں، بالخصوص فروع مالکیہ کے مشکل مقامات میں ان کے حواشی سے رجوع کیا جاتا ہے۔

تصانیف

شیخ علی صعیدی عدوی کی اہم تصانیف میں درج ذیل کتب شامل ہیں:

حاشیة علی کفایة الطالب الربانی لرسالة ابن أبی زید القیروانی. حاشیة علی شرح العزیة للزرقانی. حاشیة علی شرح الخرشی علی خلیل.

اس کے متعدد بھی متعدد شروحات وحاشی آپ کی طرف منسوب ہیں(الاعلام للزرکلی، ج۴، ص ۲۶۰، تحت الترجمة: العدوی)[1]

(21)......احمد بن محمد الدردیر

شیخ احمد بن محمد الدردیر کا شمار فقہ مالکی کے ممتاز علماء وفقہاء، محققین، شارح اور متاخرین مالکیہ کے

[1] جوکہ درج ذیل ہیں: حاشیة علی شرح شیخ الإسلام زکریا الأنصاری علی ألفیة المصطلح للعراقی. حاشیة علی شرح الجوهرة لعبد السلام. حاشیة علی شرح السلم للأخضری. تقریرات علی شرح السنوسیة للمصنف. التحریرات والنکات علی شرح المحلی للورقات. رسالة فیما تفعله فرقة المطاوعة من المتصوفة من البدع کالطبل والرقص.

معتمد ائمہ میں سے ہوتا ہے، پورا نام "أحمد بن محمد بن أحمد الدردير العدوی المالکی " ہے، جبکہ "امام الدردير "اور"ابو البرکات الدردير "کے لقب سے زیادہ جانے جاتے ہیں، ولادت 1127ھ (بمطابق 1715ء) میں مصر میں ہوئی۔

امام دردیر مالکی فقہ کے ان چند ائمہ میں سے ہیں، جن کی تصانیف آج بھی مالکی فقہ میں معیار کا درجہ رکھتی ہیں، خصوصاً شرح مختصر خلیل، اور الشرحُ الصغیر، پورے شمالی افریقہ، مصر، سوڈان، لیبیا، مراکش، تونس، ودیگر مغربی ممالک میں آج بھی ایک تدریسی متن ہے۔

چنانچہ امام دردیر کی "الشرح الکبیر" مختصر خلیل کی اہم ترین شروحات میں سے ہے، جس میں فقہ مالکی کے معتمد اقوال کو ترتیب دے کر مشکل مسائل کو آسان انداز میں بیان کیا گیا ہے، یہاں تک کہ مختصر خلیل کی جتنی بھی شروحات اور حواشی لکھے گئے، ان میں امام دردیر کی "الشرح الکبیر" کو سب سے زیادہ معتمد شمار کیا گیا ہے، جس پر بعد کے حضرات نے مزید حاشیے لکھے، جس سے یہ شرح مزید مضبوط ہوگئی۔

دیگر کتب

الشرح الصغير على أقرب المسالك (کفایۃ الطالب الربانی) فقہ مالکی کے طلبہ کے لیے بنیادی درسی کتاب۔

أقرب المسالك إلى مذهب الإمام مالك (فقہ مالکی کا خلاصہ جدید ترتیب کے ساتھ)۔

حاشيه الدردير على شرح الرسالة لابن أبي زيد القيروانی.

مختلف رسائل وفتاویٰ (عقائد، تصوف، عبادات ومعاملات میں)

شیخ الدردیر کی فقہ، تصوف اور عقائد کے باب میں خدمات نے انہیں متاخرین مالکیہ کے ائمہ اربعہ میں شامل کردیا (الاعلام للزرکلی، ج ۱، ۲۴۴، تحت الترجمة: الدردير)

وفات

شیخ الدردیر زندگی کے آخری ایام میں علالت کی وجہ سے کچھ دن بستر پر رہے، اور بالآخر ربیع الاول 1201 ہجری میں اس دارِفانی سے کوچ کر گئے، آپ کی تدفین بھی الازہر (قاہرہ) میں ہی کی گئی۔

تذکرۂ اولیاء حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (قسط 108) مولانا محمد ریحان

اولیاءِ کرام اور سلف صالحین کے نصیحت آموز واقعات وحالات اور ہدایات وتعلیمات کا سلسلہ

عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے جدید دنیا پر اثرات (حصہ:1)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت نے نہ صرف بعد میں آنے والے خلفاء اور ریاستوں پر گہرا اثر ڈالا، بلکہ مغربی دنیا میں مشرقی علوم پہنچنے کے بعد نہ صرف مغربی دنیا بلکہ مغربی دنیا سے پوری جدید دنیا پر اس کے اثرات واضح طور پر نظر آتے ہیں۔

ادارہ جاتی حکومت کا قیام:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اسلامی ریاست نے پہلی بار قبائلی، غیر منظّم اور شخصی بنیاد پر حکمرانی کے ماڈل سے نکل کر ایک ادارہ جاتی (institutional) ڈھانچے میں خود کو منظّم کیا۔ قبل ازیں عرب معاشرہ زیادہ تر قبائلی روایات، شخصی فیصلوں اور غیر رسمی ضوابط پر چلتا تھا، لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حکومتی ڈھانچے میں نظم، ذمہ داری، اور محاسبہ کے اصول داخل کیے۔ اس تبدیلی کو جدید ریاستی زبان میں institution-building کہا جاتا ہے، جو کسی بھی ریاست کی پائیداری کے لیے بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

سیاسی ماہرین حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دور کو انسانی تاریخ میں ایک بڑا ادارہ جاتی انقلاب قرار دیتے ہیں، جس نے نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ عالمی انتظامی فکر پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔ اس دور میں ریاست ایک قبائلی محور سے بدل کر ایک منظّم، قانون پر مبنی ریاست (rule-based state) کی صورت اختیار کر گئی۔

(Watt, W. Montgomery. The Formative Period of Islamic Thought. Edinburgh: Edinburgh University Press, 1998. p 162)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ ریاستی معاملات چلانے کے لیے باقاعدہ محکمہ جات قائم کیے، جو آج کی جدید وزارتوں (ministries) اور بیوروکریسی کا ابتدائی نمونہ سمجھے جاتے ہیں۔ آپؓ نے بیت المال کو ایک مالیاتی ادارے کی حیثیت دی، جس میں محصولات، زکوٰۃ، خراج اور

جزیہ کی آمدن کا حساب رکھا جاتا تھا۔ اسی طرح محکمۂ خراج کو ٹیکس اور ریاستی آمدن کی تنظیم کے لیے قائم کیا گیا، جبکہ محکمۂ قضاء کو عدالتی امور سے مخصوص کیا گیا، جس میں قاضی شریح جیسے معروف ججوں کا تقرر اسی ادارہ جاتی ذہنیت کا حصہ تھا۔ محکمۂ عسکر فوجی انتظامات، رجسٹریشن، تنخواہوں اور چھاؤنیوں کے قیام کا ذمہ دار تھا، جو جدید وزارت دفاع اور ملٹری بیوروکریسی کی ابتدائی شکل ہے۔ یہ ادارہ جاتی تقسیم اس حقیقت کی دلیل ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا دور پہلی مسلم حکومت تھا جو functional specialization کے اصول پر چل رہا تھا۔

(Hamidullah, Muhammad. The Islamic State. Karachi: Oxford University Press, 2019 p 58)

ان ادارہ جاتی اصلاحات نے آج کی جدید ریاستوں کے بنیادی اصول جیسے وزارت خزانہ، محکمہ دفاع، وزارت داخلہ، عدلیہ کی علیحدگی، مردم شماری، ٹیکس سسٹم، پولیس اور جیل پر براہ راست اثرات چھوڑے۔ ماہرینِ سیاسیات اور جدید مؤرخین مثلاً ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور مونٹگمری واٹ اس بات کا ذکر کرتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی انتظامی تشکیل نے جدید وزارتوں، مالیاتی کنٹرول، اور ریاستی احتساب کے تصور کو جنم دیا، جو بعد میں عباسی دور، پھر سلطنت عثمانیہ اور آخرکار یورپی ریاستی نظام پر اثر انداز ہوا۔ ان کا قائم کردہ مردم شماری (census) کا نظام، ڈاک اور مواصلاتی نظام، بازار نگرانی (market regulation)، اور پولیس کا نظم آج کی ریاستی مشینری کے لازمی عناصر ہیں۔ اس طرح حضرت عمرؓ کی خلافت نہ صرف اسلامی تاریخ کا سنگ میل ہے بلکہ عالمی سیاسی ادارہ سازی (global statecraft) میں ایک بنیادی intellectual input بھی ہے۔

(Watt, W. Montgomery. The Formative Period of Islamic Thought. Edinburgh: Edinburgh University Press, 1998.p 150
Hamidullah, Muhammad. The Islamic State. Karachi: Oxford University Press, 2019 p 60)

پاکستان جیسے مسلم ملک میں حضرت عمر رضی اللہ کے ادارہ جاتی ماڈل کی روشنی میں ریاستی اداروں کو بہتر بنانا نہ صرف ممکن ہے بلکہ اصولی طور پر نہایت مؤثر ثابت ہوسکتا ہے، بشرطیکہ ان اصولوں کو جدید تقاضوں کے ساتھ ہم آہنگ کیا جائے۔

پیارے بچو! مولانا محمد ریحان

پڑوسی کی ڈھال

پیارے بچو! محلّہ گلشن پور میں تین اچھے دوست رہتے تھے۔احمد، حمزہ اور علی۔ تینوں ہر روز ساتھ اسکول جاتے، گھر واپسی پر کھیلتے اور ایک دوسرے کا خیال رکھتے تھے۔ان کی گلی کے کونے میں چچا نعیم رہتے تھے۔ایک بزرگ، اکیلے اور نرم دل انسان۔ بچے انہیں پسند کرتے تھے مگر اکثر اپنی مصروفیات میں ان کے حالات پر توجہ نہیں دے پاتے تھے۔

ایک دن دوپہر کو اسکول سے لوٹتے ہوئے احمد نے دیکھا کہ چچا نعیم کے دروازے کے سامنے سوکھے پتے اور کچرا جمع ہے۔اس نے دوستوں سے کہا کہ آئیں اسے صاف کر دیتے ہیں،مگر سب نے تھکن اور ہوم ورک کا عذر پیش کیا۔احمد بھی خاموشی سے گھر چلا گیا،مگر رات کو اسے خیال آتا رہا کہ پڑوسی کا حق تو یہ ہے کہ اس کی مشکل دیکھی جائے۔

اگلی صبح احمد جلدی اٹھا، جھاڑو اٹھایا اور چچا نعیم کے گھر کے سامنے لگ گیا۔ کچھ دیر بعد حمزہ اس کے پاس آیا اور حیران ہو کر بولا:

”ارے!تم نے تو اکیلے ہی شروع کر دیا؟“ احمد نے مسکرا کر کہا:”ہم پڑوسی ہیں۔اگر ہم ہی نہیں کریں گے تو کون کرے گا؟“

یہ سن کر حمزہ بھی شامل ہو گیا۔تھوڑی دیر بعد علی نے بھی ان کا ساتھ دیا۔تینوں نے مل کر سارا حصہ صاف کر دیا۔ جب چچا نعیم باہر آئے اور منظر دیکھا تو ان کی خوشی چھپی نہ رہی۔ وہ آبدیدہ ہو کر بولے:

”بیٹو!تم نے دل جیت لیا۔اللہ تمہیں ہمیشہ نیکی کی توفیق دے۔“

چند دن بعد ایک تیز آندھی نے پورے محلے کو ہلا کر رکھ دیا۔صبح جب سب باہر نکلے تو دیکھا کہ چچا نعیم کی چھت کا ایک حصہ ٹوٹ کر نیچے لٹک رہا ہے۔ یہ دیکھ کر بچے پریشان ہو گئے۔احمد نے فوراً کہا:

”ہمیں بڑوں کو خبر دینی چاہیے۔یہ کام ان کی مدد کے بغیر نہیں ہو سکتا۔“

تینوں نے گھر گھر جا کر محلے کے بڑوں کو بتایا۔ کچھ ہی دیر میں پوری گلی جمع ہوگئی۔ کسی نے لکڑیاں پکڑائی، کسی نے کیلیں دیں، اور بچے اوزار سنبھالتے رہے۔ محنت کے بعد چھت ٹھیک کر دی گئی۔ چچا نعیم نے سب کا شکریہ ادا کیا اور خاص طور پر تینوں لڑکوں کو پیار دیتے ہوئے کہا:

''تم نے پڑوسی ہونے کا حق ادا کر دیا۔''

اگلے ہفتے اسکول میں اسپورٹس ڈے تھا۔ دوڑ کے مقابلے میں تینوں دوست شریک ہوئے۔ دوڑ شروع ہوئی تو اچانک علی پھسل کر گر گیا۔ دوسرے بچے جیتنے کے لیے آگے بڑھتے رہے، لیکن احمد اور حمزہ فوراً واپس پلٹے۔ انہوں نے علی کو اٹھایا، اسے پانی دیا اور اس کے پاس کھڑے رہے۔

استاد نے حیران ہوکر پوچھا:

''تم دونوں رُک گئے؟ جیت سکتے تھے!''

احمد نے جواب دیا:

''سر! دوستی اور پڑوسی کا حق جیت سے زیادہ بڑا ہوتا ہے۔ ہم اسے تنہا نہیں چھوڑ سکتے تھے۔''

کچھ دن بعد اسکول میں ایک مقابلہ ہوا، جس میں ہر بچے کو ایک عنوان پر مضمون لکھنا تھا۔ اسکول کی طرف سے بچوں کو پڑوسیوں کے حقوق پر عنوان دیا گیا۔ سب بچوں نے اپنے اپنے پیپر اور پنسل اٹھائے اور مضمون لکھنا شروع کر دئے۔ سب بچے سوچ و بچار میں بیٹھے ہوئے تھے کہ پڑوسیوں کے حقوق کے مضمون میں کیا لکھیں اور کیا نہ لکھیں۔ کوئی اپنے مضمون میں یہ لکھ رہا تھا کہ پڑوسی کو تکلیف نہیں پہنچانی چاہیے، اور پڑوسی کو تنگ نہیں کرنا چاہیے۔ پڑوسیوں کو کھانا دینا چاہیے۔ جب بھی گھر میں سالن بنے تو انہیں دینا چاہیے۔ لیکن احمد نے اس مضمون کو لکھنے کے لئے ایک نیا انداز اپنانے کا سوچا۔ احمد نے سوچا کہ مضمون میں وہ کچھ کیوں نہ لکھا جائے، جو کچھ میں نے پڑوسیوں کے ساتھ کیا۔ میں جس طرح چچا نعیم کے کام آیا میں وہ ہی اپنے مضمون میں لکھ دیتا ہوں۔ احمد نے یہ لکھا کہ پڑوسی کو صرف تکلیف پہنچانے سے بچانا ہی پڑوسیوں کے حقوق میں شامل نہیں بلکہ اس کی تکلیفوں کو دور کرنا بھی اس کا حق ہے۔ احمد نے انہی واقعات کو بنیاد بنا کر ایک خوبصورت مضمون لکھا۔ استاد بہت متاثر ہوئے اور اسے پہلا انعام ملا۔

www.idaraghufran.org

زیب وزینت میں خواتین کے اختیارات (حصہ:15)

اللہ تعالیٰ نے انسان کو حسن و جمال کے ساتھ پیدا کیا ہے،اور چہرہ انسان کی پہچان کا بنیادی مرکز سمجھا جاتا ہے، چہرے میں متعدد اعضا ایسے ہیں جو مجموعی خوبصورتی میں اہم کردارادا کرتے ہیں، ان میں سے ایک ابرو(Eyebrow)ہے، ابرو چہرے کی ساخت، توازن اور خوبصورتی میں نمایاں مقام رکھتی ہے، ان کی وضع و ہیئت بدلنے سے نہ صرف چہرے کا تاثر بدل جاتا ہے، بلکہ شخصیت میں بھی نمایاں فرق محسوس ہوتا ہے، اسلام نے زینت اپنانے کی اجازت دی ہے، مگر ساتھ ساتھ ایسی تبدیلیوں سے منع بھی کیا ہے جو اللہ کی تخلیق میں بلاضرورت یا ناجائز مداخلت ہو، انہی امور میں ایک مسئلہ چہرے کے بال اور ابرو سے متعلق بھی ہے، جس کا حکم سمجھنا ضروری ہے، خصوصاًان خواتین کے لیے، جن میں قدرتی طور پر زینت و آرائش کا رجحان زیادہ ہوتا ہے، اور وہ فیشن کو پسند کرتی ہیں، (یہ الگ موضوع ہے، وہ فیشن جائز ہے یا ناجائز) چنانچہ اس سلسلے میں مزید تفصیل ملاحظہ فرمائیں۔

بال نوچنے اور اکھاڑنے کی ممانعت

اس بارے میں جتنی بھی تفصیل ہے، اس کی بنیاد ایک حدیث شریف ہے، اسی حدیث شریف کے اردگرد تمام بحث گھومتی ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک حدیث مروی ہے ،جس میں کچھ خواتین پر لعنت کرنے کا ذکر ہے، اس میں ایک قسم کی خواتین کے بارے میں یہ الفاظ استعمال ہوئے ہیں: ”وَالنَّامِصَاتِ وَالْمُتَنَمِّصَاتِ“

جس کا عام ترجمہ بال نوچنے یا اکھاڑنے والی اور بال نوچنے یا اکھاڑنے کا حکم دینے والی کا ہے، یعنی جو عورت یہ کام کرے اور جو کسی دوسرے سے اس کا مطالبہ کرے دونوں پر لعنت ہے، الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ یہ حدیث دیگر صحابہ مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے، چنانچہ اس حدیث شریف میں لعنت کے حکم کے بارے کسی صاحبِ علم کا اختلاف

نہیں ہے، یہ حدیث شریف تقریباً تمام مشہور کتابوں میں موجود ہے۔

اس عمل سے کیا مراد ہے؟

تمام محدثین، فقہاء کا اس حدیث کی صحت اور سند کے اعتبار سے قوت پر مکمل اتفاق ہے، جیسا کہ پہلے ذکر ہوا، لیکن اس حدیث کے مفہوم اور مراد میں اہلِ علم کے درمیان شدید اختلاف موجود ہے ،جس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں اس عمل کی مکمل وضاحت موجود نہیں ہے، کہ بال نوچنے سے کونسے حصے کے بال نوچنا مراد ہے؟،اور یہ حکم عام ہے یعنی سب خواتین کے لیے ہے، یا مخصوص قسم کی خواتین کے لیے ہے؟، چنانچہ ایک رائے کے مطابق یہ حکم چہرے کے تمام بالوں کو شامل ہے ،خواہ وہ ابرو (Eyebrow) کے بال ہوں ،ڈاڑھی کے بال ہوں یا مونچھوں (Upper Lips) کے بال ہوں ،یا پھر رخسار ،اور ماتھے ، پر نکلنے والے بال ہوں، یہ رائے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، جبکہ دیگر حضرات اس لفظ کو اتنے عام اور وسیع مفہوم میں نہیں لیتے، حدیث شریف کی مشہور کتاب ''سنن ابوداوٗد'' کے مصنف امام ابوداوٗد سجستانی رحمہ اللہ نے بھی صراحت کے ساتھ اس رائے سے اختلاف کیا ہے ،اور ان الفاظ کو صرف ابرو (Eyebrow) کے ساتھ خاص کیا ہے،اس حدیث شریف کے ذکر کرنے بعد وہ فرماتے ہیں:

''التي تَنْقُشُ الحاجِبَ حتى تُرِقَّه(سنن ابی داود ،4170)

یعنی اس سے مراد وہ عورت ہے، جو ابرو (Eyebrow) کے بال نوچتی ہے، یہاں تک کہ اس کو باریک کر لیتی ہے۔ (ابوداود)

اسی طرح کی اجازت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی ایک ضعیف حدیث میں ثابت ہے، نیز اکثر علماء نے صراحت کی ہے، کہ اگر خواتین کے چہرے پر بال اگ جائیں،تو اس کو ختم کیا جاسکتا ہے،اور یہ عمل اس وعید میں شامل نہیں ہے، جبکہ بعض علماء کی اس سلسلے میں رائے یہ ہے، کہ ممانعت اس صورت میں جبکہ یہ عمل فاسق فاجر عورتوں کی نشانی ہو، یا عورت غیر شادی شدہ ہو، ان سب اقوال کے ذکر کرنے کے مقصد یہ ہے، ہمارے یہاں چونکہ انصاف اور تحمل کی شدید کمی ہے، تبلیغ میں بھی اسلام کی اتباع سے زیادہ، ہم نفسانیت شامل کر دیتے ہیں، مثلاً جن خواتین کے گھروں میں

فیشن کے معاملے میں سختی ہوگی،وہ اس معاملے میں سخت رائے پر قائل کرنے کی کوشش کریں گی،اور دوسری خواتین پر تنقید کریں گی،گویا یہ پوری امت کی متفقہ رائے ہو،اوراس کے مقابل کوئی دوسری رائے موجود ہی نہیں ہے،حالانکہ یہ ان کے خاندان یا علاقے کا کلچر ہوگا،جس کا ان پر خاص اثر ہوگا،اس طرح کے معاملات میں ہمیشہ یادرکھنا چاہیے،کہ امت ہر طرح کے افراد کے مجموعے کا نام ہے،اس میں کچھ خواتین،سادگی پسند ہوں گی،کچھ خواتین شوخ چنچل سی ہوں گی،کچھ خواتین پچاس کی دہائی میں کچھ تیس کی دہائی میں کچھ بالکل نوجوان پندرہ بیس سال کی،سب کو یکساں نظر سے دیکھنا بالکل غلط ہے،جب علماء میں اختلاف ہوتا ہے،تو اس کا فائدہ عام عوام کو ہوجاتا ہے،کہ ان کے لیے کسی بھی رائے پر عمل کرلینے کی گنجائش پیدا ہوجاتی ہے،چنانچہ جب ہم کسی پر تنقید کریں ،یا اس کے کسی عمل کو دیکھیں تو ہمیں پہلے علم حاصل کرلینا چاہیے،کہ اس عمل کی حیثیت کیا ہے،چنانچہ متفقہ حرام پر تنقید اس کے حساب سے ہوگی،اور اختلافی چیز پر تنقید اس کے حساب سے ہوگی۔

اس ساری تفصیل کے بعد خلاصہ کے طور یہ سمجھ لیں کہ اگر چہرے پر بال نکل آئیں،تو سب سے بہتر طریقہ یہ ہے،جس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے،کہ میک اپ،یا کریم یا کلر وغیرہ کے ذریعہ اس کو چھپادیں،یعنی وہ چہرے پر موجود ہوں،لیکن دیکھنے والے کو محسوس نہ ہو،اس کے بعد دوسرا درجہ یہ ہے،اگر اس سے کام نہ چلے،اور بال واضح ہوں تو پھر ابرو(Eyebrow)کے علاوہ باقی چہرے کے بالوں کو صاف کرنے کی اجازت ہے،یہ اجازت بہت سے علماء نے دی ہے،تیسرا درجہ یہ ہے، اگر کوئی خاتون اس پر بھی راضی نہیں ہوتی اور وہ ابرو(Eyebrow)کے اور چہرے کے بال صاف کرنا چاہتی ہے،تو بال نوچ کر یا اکھاڑ کر ختم نہ کرے،بلکہ مونڈ کر،یا کاٹ کر ختم کرے،لیکن اس سے بچنا چاہیے اور پہلی دو صورتوں پر عمل کرنا چاہیے ،باقی جو بھی عمل ایسا ہو،جس میں ابرو(Eyebrow)کے بال کاٹے یا اکھاڑے نہ جاتے ہوں،بس ایک خاص شکل دے کر اس کو خوبصورت بنایا جاتا ہو،خواہ باریک کرکے یا کلر کرکے یا کسی بھی طریقے سے تو اس کے منع ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے،اور ایسا کرنا بلا کراہت جائز بلکہ شوہر وغیرہ کے لیے ایسا کرنا مستحب ہے۔

(جاری ہے......)

آپ کے دینی مسائل کا حل ادارہ

گناہ پر اعانت اور گناہ کے سبب کی تحقیق (قسط:5)

آ ج کل گناہ پر اعانت اور گناہ کے سبب کا مسئلہ، اہلِ علم اور ان کے واسطہ سے، عوام میں زیرِ بحث آ تا ہے، اور اس پر موجودہ دور میں مختلف مسائل کو متفرع کیا جا تا ہے، اور اس سلسلہ میں امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کی اصل حقیقت کی افہام وتفہیم میں چند علمی تسامحات کی اتباع کی جاتی ہے۔
اس موضوع پر مفتی محمد رضوان صاحب نے اپنی ایک مفصل علمی وتحقیقی تالیف کے ضمن میں بحث کی ہے، اس تالیف کے مخصوص حصہ کو ذیل میں قسط وار شائع کیا جارہا ہے(......ادارہ......)

پھراس کے بعد مفتی صاحب موصوف نے فرمایا کہ:

’’سبب کی دو قسمیں ہیں، ایک سببِ بعید اور دوسری سببِ قریب، اور سببِ بعید سے بچنا تو ممکن نہیں، اور اس پر کوئی امر و نہی کا حکم مرتب نہیں ہوتا، اس لئے حکم سببِ قریب پر ہی دائر ہے۔

اور سببِ قریب کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ سبب جو گناہ کا محرک اور اس کا اس طرح جالب ہو کہ اگر یہ نہ ہوتا، تو فاعل اس گناہ پر اقدام نہ کرتا، جیسا کہ کفار کے معبودان کو سب وشتم کرنا، یہ سببِ قریب، نصِ قرآن کی رو سے حرام ہے۔

اور سببِ قریب کی دوسری قسم وہ ہے، جو گناہ کا محرک اور اس کا مذکورہ طریقہ پر جالب تو نہ ہو، لیکن گناہ کا ارادہ کرنے والے کے لئے معین ہو، اور اس کی خواہش کی تکمیل تک پہنچانے والا ہو، اس کا حکم یہ ہے کہ اگر اس میں صنعت پیدا کئے بغیر گناہ کا عمل ہوتا ہو، تو مکروہ تحریمی ہے، جیسا کہ اہلِ فتنہ وفساد کو اسلحہ فروخت کرنا، کسی صنعت کے بغیر فتنہ وفساد کا سببِ محرک ہے، تو یہ باتفاقِ فقہاء حرام ہے۔

اور اگر اس میں صنعت کر کے گناہ کا عمل ہوتا ہو، تو مکروہ تنزیہی ہے، جیسا کہ اہلِ فتنہ وفساد کو لوہا فروخت کرنا، جس سے اسلحہ بنایا جاتا ہو، جیسا کہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔

جس کی دلیل کے لئے ’’الدر المختار وردالمحتار ‘‘ کے بغاۃ کے باب کے آخر میں دیکھا جاسکتا ہے، چنانچہ درمختار میں ہے کہ اہلِ فتنہ کا اگر علم ہو، تو ان کو اسلحہ فروخت کرنا مکروہ تحریمی ہے، کیونکہ یہ گناہ میں اعانت ہے، اور جس چیز سے اسلحہ بنایا جاتا ہے، جیسا کہ لوہا، تو وہ اہلِ حرب کو فروخت کرنا مکروہ ہے۔

لیکن نہر میں ہے کہ فقہاء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز کے عین سے گناہ قائم ہو، وہ مکروہ تحریمی ہے، ورنہ مکروہ تنزیہی ہے۔

ابنِ عابدین شامی نے اس کے ذیل میں فرمایا کہ مطلب یہ ہوا کہ جس چیز کے ساتھ گناہ قائم ہو، وہ ایسی چیز ہے کہ اس کا عین منکر ہو، کسی صنعت کو بروئے کار لائے بغیر، جس کی تفصیل نہر کی عبارت میں ہے‘‘۔انتہٰی۔ [1]

---

[1] ولكن السبب قريب وبعيد،والبعيد لايمكن التحرز عنه.فان كل مكاسب الانسان سبب بعيد للشر والمعصية ايضا،حيث ينتفع به اهل الشر فی معاصيهم بل الكفار فی كفرهم.

بل نفس وجود الانسان يفيد لكل انسان بر وفاجر فائدة ما. ولااقل من الانس به،ولاجل هذا لم يتعلق به حكم شرعی من امر ونهی.

نعم دار الامر على السبب القريب،فعد من الخير كون الرجل سببا لخير،وعد من الشر كونه سببا بعيدا لشر،اذاكان سببا قريبا.

ثم السبب القريب ايضا على قسمين.

سبب محرك وباعث على المعصية بحيث لولاه لما اقدم الفاعل على هذه المعصية،كسب آلهة الكفار فانه سبب محرك وباعث لسب الاله الحق جل شانه.

وسبب ليس كذالك ولكنه يعين لمريد المعصية ويوصله الى مايهواه كاحضار الخمر لمن يريد شربه واعطاء السيف بيد من يريد قتلا بغير حق.

فالقسم الاول حرام بنص القرآن.والثانی ان كان بحيث يعمل به المعصية من دون احداث صنعه منه يلتحق به يكره تحريما.وان كان يحتاج الى عمل وصنعة كره تنزيها.

فبيع السلاح من اهل الفتنة والفساد سبب محرك لايقاع الفتنة،فحرام باتفاق الفقهاء.

وبيع الحديد وامثاله ممايصنع منه السلاح،كره تنزيها،كما صرح به الفقهاء.

انظر مافی آخر باب البغاة من الدر المختار ورد المحتار،مانصه:

(ويكره) تحريما (بيع السلاح من أهل الفتنة إن علم) لأنه إعانة على المعصية (وبيع ما يتخذ منه كالحديد) ونحوه يكره لأهل الحرب (لا) لأهل البغی لعدم تفرغهم لعمله سلاحا لقرب زوالهم، بخلاف أهل الحرب زيلعی.

﴿بقیہ حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں﴾

www.idaraghufran.org

مذکورہ تحریر اور اس میں مذکور مثالوں سے معلوم ہوا کہ مفتی صاحب موصوف نے مذکورہ حکم، امام ابو حنیفہ کے مذہب کے مطابق بیان کیا ہے۔

اور یہ بھی معلوم ہوا کہ مذکورہ عبارت میں انہوں نے سببِ بعید پر کوئی امر و نہی کا حکم مرتب نہیں کیا، تمام مدار ''سببِ قریب'' پر ہی رکھا ہے۔

لیکن مفتی صاحب موصوف کی بیان کردہ یہ تقسیم بھی عند الحنفیۃ ''سبب کی اقسام واحکام'' کا ذکر کئے بغیر، اور امام ابوحنیفہ، اور صاحبین کے قول کی تنقیح کے بغیر راجح نہیں، کیونکہ صاحبین کے نزدیک جس چیز میں تغیر کے بعد گناہ ہو، جیسا کہ شیرہ، اس کو شراب بنانے والے کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں، وہ اس کو اہلِ فتنہ کے ہاتھ اسلحہ فروخت کرنے کی طرح قرار دیتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔

پھر مفتی صاحب موصوف نے علامہ ابنِ عابدین شامی کی نہر کے حوالہ سے نقل کردہ عبارت سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ:

﴿گزشتہ صفحے کا بقیہ حاشیہ﴾

قلت :وأفاد كلامهم أن ما قامت المعصية بعينه يكره بيعه تحريما وإلا فتنزيها(كذافى النهر)

قال ابن عابدين الشامي:

فصار المراد بما تقام المعصية به ما كان عينه منكرا بلا عمل صنعة فيه، فخرج نحو الجارية المغنية؛ لأنها ليست عين المنكر، ونحو الحديد والعصير؛ لأنه وإن كان يعمل منه عين المنكر لكنه بصنعة تحدث فلم يكن عينه، وبهذا ظهر أن بيع الأمرد ممن يلوط به مثل الجارية المغنية فليس مما تقوم المعصية بعينه، خلافا لما ذكره المصنف والشارح فى باب الحظر والإباحة، ويأتي تمامه قريبا (قوله :يكره لأهل الحرب) مقتضى ما نقلناه عن الفتح عدم الكراهة، إلا أن يقال :المنفى كراهة التحريم والمثبت كراهة التنزيه؛ لأن الحديد وإن لم تقم المعصية بعينه لكن إذا كان بيعه ممن يعمله سلاحا كان فيه نوع إعانة تأمل (قوله :نهر) عبارته: وعرف بهذا أنه لا يكره بيع ما لم تقم المعصية به كبيع الجارية المغنية والكبش النطوح والحمامة الطيارة والعصير والخشب الذى يتخذ منه العازف، وما فى بيوع الخانية من أنه يكره بيع الأمرد من فاسق يعلم أنه يعصى به مشكل.

والذى جزم به فى الحظر والإباحة أنه لا يكره بيع جارية ممن يأتيها فى دبرها أو بيع الغلام من لوطى وهو الموفق لما مر .وعندى أن ما فى الخانية محمول على كراهة التنزيه والمنفى هو كراهة التحريم، وعلى هذا فيكره فى الكل تنزيها، وهو الذى إليه تطمئن النفس؛ لأنه تسبب فى الإعانة، ولم أر من تعرض لهذا، والله تعالى الموفق''رد المحتار، باب البغاة''(أحكام القرآن، ج، ۳، ص ۷۸ و ۷۹، سورة القصص، مطبوعة: ادارة القرآن، كراتشي، الطبعة الاولى ۱۴۱۳هـ)

www.idaraghufran.org

فقد صرح الشامی رحمہ اللہ انہ تسبب فی الاعانہ لا الاعانۃ نفسھا،فانھا لایتحقق الابالنیۃحقیقۃ اوحکما وایضا صرح بتفاوت الحکم فی التسبب قربا وبعدا. فالذی لایحتاج فیہ الی صنعۃ صانع،ولایستعمل فی العادۃ الا للمعصیۃ کان حراما والذی یتخلل فیہ عمل عامل اولایختص استعمالہ فی المعصیۃ کرہ تنزیھا (أحکام القرآن،ج۳،ص۸۰،سورۃ القصص،مطبوعۃ: ادارۃ القرآن، کراتشی،الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۳ھ)

ترجمہ: شامی رحمہ اللہ نے تصریح کی ہے کہ یہ(امردکی مذکورہ بیع)اعانت میں سبب بننا ہے،بذاتِ خوداعانت کرنانہیں ہے،کیونکہ گناہ میں اعانت حقیقتاً،یاحکماً نیت سے ہی متحقق ہوتی ہے،نیز علامہ شامی نے سبب بننے میں قریبی اور بعیدی کے اعتبار سے حکم میں فرق ہونے کی تصریح کی ہے۔

پس جس گناہ میں صانع کی صنعت کی احتیاج نہ ہو،اور وہ عادتاً گناہ ہی میں مستعمل ہو،وہ (گناہ کاسببِ قریب ہونے کی وجہ سے)حرام ہے،اور جس گناہ میں دوسرے عامل کاعمل درمیان میں واقع ہو،یااس کااستعمال گناہ کے ساتھ مختص نہ ہو،تو وہ (سببِ بعید ہونے کی وجہ سے)مکروہ تنزیہی ہے(احکامُ القرآن)

اور پھر مفتی صاحب موصوف نے آگے چل کرفرمایا کہ:

وھذا کلہ اذا کان سببا قریبا باعثا وجالبا للمعصیۃ کسب الآلھۃ الباطلۃ وضرب النساء بارجلھن وخضوعھن فی الکلام،فان ھذا کلھا اسباب جالبۃ للمعصیۃ،فتعد اسبابا قریبۃ.

واما اذا کان سببا بعیدا کبیع العصیر لمن یتخذہ خمرا،اواجارۃ الدار لمن یتعاطن فیھا بالمعاصی،اوعبادۃ غیر اللہ،فان لم یعلم بقصد المشتری والمستجیر وبمایعمل فیہ جاز بلا کراھۃ.

وان علم ذالک کرہ تنزیھا،فان ھذ االبیع والاجارۃ لیس سببا جالبا وباعثا للمعصیۃ،کسب الآلھۃ وضرب النساء بالارجل مالم ینو،اویصرح بعمل المعصیۃ.نعم بعد العلم بما یعمل لایخلو عن شیء من التسبب للمعصیۃ ولو بعیدا،فکان التنزہ عنہ اولیٰ.

وبهـذا التـفـصيـل اجتمعت اقوال الفقهاء ونصوص الكتاب والسنة (أحكام القـرآن،ج،۳،ص ۸۱،سـورـة القـصص،مطبوعة: ادارة القرآن،كراتشي،الطبعة الاولٰى ۱۴۱۳ھـ)

ترجمہ:اور یہ سب اس وقت ہے جبکہ سبب قریبی ہو،اور گناہ کے لئے جالب ہو، جیسا کہ باطل معبود کو گالی دینا،اور عورتوں کا اپنے پاؤں زمین پر مارنا،اور (عورتوں کا) کلام میں نرمی کرنا،پس یہ تمام چیزیں گناہ کے لئے جالب ہیں،پس ان کو قریبی اسباب شمار کیا گیا ہے۔

لیکن اگر سبب، بعید ہو،جیسا کہ انگور کا شیرہ،ایسے شخص کو فروخت کرنا،جو اس کی شراب بنائے،یا گھر کا ایسے شخص کو فروخت کرنا،جو اس میں گناہوں کو سرانجام دے،یا اس گھر میں غیراللہ کی عبادت کرے،تو اگر خریدار،یا کرایہ دار کے قصد وارادہ،اور جو وہ اس میں عمل کرے گا،اس کا علم نہ ہو،تو بلا کراہت جائز ہے۔

اور اگر گناہ کے قصد وارادہ کا علم ہو،تو مکروہ تنزیہی ہے،کیونکہ مذکورہ بیع واجارہ،بتوں کو گالی دینے،اور عورتوں کے پاؤں مارنے کی طرح،گناہ کو کھینچنے،اور گناہ پر ابھارنے کا سبب نہیں، جب تک وہ خود گناہ کا قصد اورادہ نہ کرے،یا گناہ کے عمل کی صراحت نہ کرے۔البتہ گناہ کا عمل کرنے کا علم ہو،تو گناہ کا ایک گونہ سبب بننے کی وجہ سے،اگرچہ وہ سبب بعیدی ہو،اس سے بچنا اولیٰ ہے۔اور اس تفصیل سے فقہاء کے اقوال،اور قرآن وسنت کی سب نصوص جمع ہو جاتی ہیں (احکامُ القرآن)

مذکورہ عبارت میں انگور کے شیرہ کی شراب بنانے والے کو بیع کرنے،اور گناہ کا کام کرنے والے کو مکان کرایہ پر دینے کو سببِ بعید قرار دیا گیا ہے،اور اس کا حکم معبودانِ باطلہ کو گالی دینے سے الگ بیان کیا گیا ہے،اور اس کے گناہ کو کھینچنے،اور گناہ پر ابھارنے کا سبب ہونے کی نفی کی گئی ہے،تا آنکہ قصد وارادہ،یا تصریح نہ کرے،اور خریدار وکرایہ دار کے گناہ کا علم ہونے کے باوجود مکروہ تنزیہی قرار دیا گیا ہے۔

جبکہ اس سے پہلے مفتی صاحب موصوف خود ''سببِ بعید'' کو امرونہی کے احکام سے خارج کرکے

تمام مدار ''سببِ قریب'' پر ہونے کی تصریح کر چکے ہیں، جس کی بناء پر دونوں باتوں میں تعارض محسوس ہوتا ہے۔

مفتی صاحب کی طرف سے سورہ قصص کی مذکورہ تفسیر 1362ھ کو مکمل کی گئی۔

چنانچہ مفتی صاحب موصوف خود اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

هٰذا آخر سورة القصص بعون الله سبحانه وتعالىٰ،وقد تمت لعاشر رمضان المبارك سنة ۱۳۶۲،من الهجرة (أحكام القرآن، ج۳، ص ۱۳۰،سورة القصص،مطبوعة: ادارة القرآن،كراتشي،الطبعة الاولىٰ ۱۴۱۳ھ)

پھر حضرت مفتی صاحب موصوف نے اس کے اکیس سال بعد ۳،صفر ۱۳۸۳ھ میں بنک کو مکان کرایہ پر دینے کے متعلق ایک سوال کے جواب میں مذکورہ عربی رسالہ کا اردو زبان میں خود ہی خلاصہ لکھا، جس کے متعلق حضرت مفتی صاحب موصوف تحریر فرماتے ہیں:

اس سلسلہ میں ایک مفصل رسالہ احقر نے عربی زبان میں اب سے اکیس سال پہلے لکھا تھا، حال ہی میں ایک سوال کے جواب میں اس کا خلاصہ اردو میں لکھنے کی نوبت آئی، تو مناسب معلوم ہوا کہ اس کو ایک مستقل رسالہ کی صورت دے دی جائے، تاکہ اہلِ علم کے لئے معین ثابت ہو...... بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

دارالعلوم کراچی، ۳،صفر ۱۳۸۳ھ

(جواہر الفقہ ، ج ۷ص ۵۰۷، کتاب الحظر والاباحۃ، رسالہ''تفصيل الكلام فی مسئلة الاعانة على الحرام''یعنی ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت، ناشر: مکتبہ دارالعلوم، کراچی، طبع جدید: نومبر ۲۰۱۰ء)

پھر مفتی صاحب موصوف کا اردو زبان کا یہ رسالہ ''جواہر الفقہ'' میں شائع ہوا، جس میں کچھ باتیں مذکورہ عربی مضمون سے متصادم بھی معلوم ہوئیں۔

چنانچہ مفتی صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ:

یہ تحریر تقریباً آٹھ دس صفحات میں عربی زبان میں ہے، نقل کرنے کی ہمت نہیں، جو کچھ احقر نے لکھا ہے، اس کا بہت مختصر خلاصہ یہ ہے کہ کسی معصیت کی اعانت، جواز روئے

قرآن حرام ہے، وہ ہے، جس میں معصیت کا قصد و نیت حقیقتاً، یا حکماً شامل ہو، حقیقتاً یہ کہ دل ہی میں یہ ہو کہ اس کے ذریعہ، عملِ معصیت کیا جائے، یا یہ کہ صلبِ عقد میں احدُ المتعاقدین کی طرف سے اس معصیت کی تصریح آ جائے۔

اور حکماً یہ ہے کہ وہ چیز بجز معصیت کے کسی دوسرے کام میں آتی ہی نہ ہو، جیسے آلاتِ معازف، طبلہ، سارنگی اور مختلف قسم کے آلاتِ موسیقی، ان چیزوں کا بنانا، اور بیچنا، اگرچہ بقصدِ معصیت نہ ہو، مگر حکماً وہ بھی قصدِ معصیت میں داخل ہیں۔

اور جہاں قصدِ معصیت، نہ حقیقتاً ہو، نہ حکماً، وہ اعانت علی المعصیة میں داخل نہیں۔

البتہ اعانت سے ملتی جلتی ایک اور چیز ہے، جس کو اصطلاح میں تسبب کہتے ہیں، وہ بھی از روئے نصِ قرآن، حرام ہے، خواہ حیثیتِ معصیت ہو، یا نہ ہو، مثلاً سبِّ الٰہِ مشرکین کی نصِ قرآن میں ممانعت اسی لیے فرمائی گئی ہے کہ وہ سبب ہوتی ہے، سبِّ اللهِ حق کے لیے، اسی طرح کسی کے ماں باپ کو گالی دینا، حدیث میں اپنے ماں باپ کو گالی دینا، اسی تسبب کی بناء پر قرار دیا گیا ہے ''ولا یضربن بارجلھن'' میں ''ضرب ارجل للنساء'' کی ممانعت، اسی تسبب للمعصیة پر مبنی ہے ''ولا تخضعن بالقول'' کی نہی بھی اسی پر وارد ہے، اگرچہ یہ ظاہر ہے کہ ان تمام امور میں معصیت کے قصد و نیت کا دور کا بھی احتمال نہیں۔

لیکن یہاں ایک اہم بات قابلِ غور یہ ہے کہ تسبب، ایک ایسا وسیع لفظ ہے، جس میں سارے مباحات آ جاتے ہیں، اگر تسبب کے مفہوم کو مطلقاً سببیت کے لیے عام رکھا جائے، تو شاید دنیا کا کوئی مباح کام بھی، مباح اور جائز نہیں رہے گا، زمین سے غلہ اور ثمرات سے اعداء اللہ کو نفع پہنچے، کپڑا بننا، مکان بنانا، ظروف اور استعمالی چیزیں بنانا، ان سب میں بھی یہ ظاہر ہے کہ ہر ایک ''بر وفاجر'' ان کو خریدتا استعمال کرتا ہے، اور اپنے فسق و فجور میں بھی استعمال کرتا ہے، اور سبب اس کا ان چیزوں کا بنانے والا ہوتا ہے،

اگر اس طرح حرمت کو عام کیا جائے، تو شاید دنیا میں کوئی بھی کام جائز نہ رہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ سببِ قریب وبعید کا فرق کیا جائے، سببِ قریب ممنوع اور سببِ بعید مباح ہو، مذکورہ امثلہ سب سببِ بعید کی مثالیں ہیں، اس لیے وہ جائز رہیں گی۔

پھر سببِ قریب کی بھی دو قسمیں ہیں:

ایک سببِ جالب وباعث، جو گناہ کے لیے محرک ہو کہ اگر یہ سبب نہ ہوتا، تو صدورِ معصیت کے ہونے کی کوئی ظاہری وجہ نہ تھی، ایسے سبب کا ارتکاب گویا معصیت ہی کا ارتکاب ہے، علامہ شاطبی نے ''موافقات'' جلد اول کے مقدمہ میں ایسے ہی اسباب کے متعلق فرمایا ہے کہ ''ایقاع السبب ، ایقاع للمسبب''

نصِ قرآنی میں جہاں تسبب کو حرام قرار دیا ہے، جیسے ''سبِّ الٰہِ مشرکین'' یا ''عورتوں کے لیے ''ضربِ ارجل'' یا ''خشوع بالقول'' یا ''تبرجِ جاھلیت'' یہ سب اسی قسم کے اسباب ہیں کہ معصیت کی تحریک کرنے والے، اور جالب وباعث ہیں، ایسے اسباب کا ارتکاب، معصیت ہی کا ارتکاب سمجھا جاتا ہے، اس لیے باتفاق حرام ہیں۔

ایسے اسبابِ معصیت کا ارتکاب، گویا خود معصیت ہی کا ارتکاب ہے، اس لیے معصیت کی نسبت اس شخص کی طرف ہی کی جائے گی، جس نے اس کے سبب کا ارتکاب کیا، کسی فاعلِ مختار کے درمیان میں حائل ہونے سے معصیت کی نسبت اس سے منقطع نہیں ہوگی، جیسا حدیث میں دوسرے شخص کے ماں، باپ کو گالی دینے والے کے حق میں، اپنے ماں باپ کو گالی دینے والا کہا گیا ہے، کیونکہ ایسا تسبب للمعصیۃ ، بنصِ قرآن وحدیث خود ایک معصیت ہے۔

دوسری قسم سببِ قریب کی وہ ہے کہ ہے تو سببِ قریب، مگر معصیت کے لیے محرک نہیں، بلکہ صدورِ معصیت کسی دوسرے فاعلِ مختار کے اپنے فعل سے ہوتا ہے، جیسے ''بیعِ

عصیر عنب ممن یتخذہ خمراً‘‘یا’’اجارۃ دار ممن یتعبد فیھا الاصنام‘‘ وغیرہ کہ یہ بیع واجارہ اگرچہ ایک حیثیت سے سببِ قریب ہے، معصیت کا، مگر جالب اور محرک للمعصیۃ نہیں، شیرۂ انگور خریدنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو شراب ہی بنائے، اور گھر کو کسی مشرک کے لیے کرایہ پر دینے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اس میں بت پرستی بھی کرے، بلکہ وہ اپنی خباثت، یا جہالت سے اس گناہ میں مبتلا ہوتا ہے، شیرہ بیچنے والا، یا مکان کرایہ پر دینے والا معصیت کا باعث اور محرک نہیں ہے۔

ایسے سببِ قریب کا حکم یہ ہے کہ اگر بیچنے، یا اجارہ پر دینے والے کا مقصد اس معصیت ہی کا ہو، تب تو یہ خود ارتکابِ معصیت اور اعانتِ معصیت میں داخل ہو کر قطعاً حرام ہے۔

اور اگر اس کا قصد ونیت شامل نہ ہو، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ اس کو علم بھی نہ ہو کہ یہ شخص شیرۂ انگور خرید کر سرکہ بنائے گا، یا شراب، یا گھر کرایہ پر لے کر اس میں صرف سکونت کرے گا، یا کوئی ناجائز کام فسق وفجور کا کرے گا، اس صورت میں یہ بیع واجارہ بلا کراہت جائز ہے۔

اور اس کو علم ہے کہ یہ شخص شیرۂ انگور خرید کر، شراب بنائے گا، یا مکان کرایہ پر لے کر فسق وفجور کرے گا، یا سودی کاروبار کرے گا، یا جاریہ کو خرید کر اس کو گانے کے کام میں لگائے گا، یا امرد کو خرید کر اس سے سیاہ کاری میں مبتلا ہوگا، یا لوہا خرید کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گا، تو اس صورت میں یہ بیع واجارہ مکروہ ہے۔

اسی صورت میں حضرت امام اور صاحبین کا اختلاف منقول ہے، مگر اس میں جو امام صاحب کی طرف قولِ جواز منقول ہے، اس کا وہی مطلب ہے، جو سوال میں بحوالہ ’’خلاصۃُ الفتاویٰ‘‘نقل کیا ہے۔

(اور سوال میں یہ لکھا گیا ہے کہ’’خلاصۃُ الفتاویٰ میں قولِ امام یوں مذکور ہے کہ ’’یصح الاجارۃ ولکن یاثم ‘‘اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ امام صاحب کے

نزدیک یہ اجارہ گو قیاساً صحیح ہے،لیکن اعانت علی المعصیت کے سبب، موجبِ گناہ ہوگا'')

اب اگر حضراتِ صاحبین اس عقد ہی کو جائز قرار نہیں دیتے،تو اختلاف حقیقی ہوگیا کہ ان کے نزدیک عقد ہی درست نہیں،اور متعاقدین کے لیے مبیع وثمن میں تصرف حلال نہیں،اور امام صاحب کے نزدیک عقد درست،مگر گناہ ہے۔

اور اگر صاحبین کا قول عدمِ جواز کا حاصل بھی صرف ارتکابِ گناہ ہے،فسادِ عقد نہیں،تو پھر یہ اختلاف صرف لفظی ہوگا کہ صاحبین نے ناجائز قرار دیا بمعنی الاثم والمعصیة،اور امام صاحب نے جائز قرار دیا،بمعنیٰ جوازِ عقد،نہ بمعنیٰ رفعِ اثم۔

پھر اس مکروہ کی بھی دو قسمیں ہیں،ایک یہ کہ معصیت اس کے عین کے ساتھ متعلق ہو، بغیر کسی تغیر اور تصرف کے،دوسرے یہ کہ کچھ تصرف وتغیر کے بعد وہ معصیت کے کام میں آئے،پہلی صورت مکروہ تحریمی ہے،دوسری مکروہ تنزیہی۔

فتاویٰ قاضی خان،اور دوسری کتبِ فقہ کی عبارتوں میں جو کراہتِ تحریم وتنزیہ کا اختلاف نظر آتا ہے،اس کی تطبیق بھی اس تفصیل سے ہوجاتی ہے''فللّٰہ الحمد''

اس کے بعد مسئلہ زیرِ بحث کو دیکھ لیا جائے کہ اس میں اعانت کا مفہوم تو ہے نہیں، کیونکہ نہ قصدِ اعانت حقیقتاً ہے، نہ حکماً ہے،اور تسبب بھی سببِ محرک، یا جالب کے ساتھ نہیں،اس لیے حرمتِ صریحہ میں داخل نہیں،البتہ سبب قریب کی دوسری قسم میں داخل ہے، جو محرک نہیں ہے،اس لیے اگر کسی کو یہ علم نہ ہو کہ اجارہ پر لینے والا اس میں بینک چلائے گا،تو بلا کراہت جائز ہے،اور اگر علم ہے،تو مکروہ ہے۔

البتہ کراہتِ تحریم وتنزیہ کا فیصلہ اس بارے میں محلِ غور ہے،اگر یہ دیکھا جائے کہ بنانے والے نے بینک کی مناسبت سے کمرے بنوائے ہیں،تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کراہتِ تحریم ہے،اور اگر یہ سمجھا جائے کہ ایسے کمرے صرف بینک ہی کے لیے نہیں، دوسرے کاموں اور دفاتر کے لیے بھی بنتے ہیں،تو کراہتِ تنزیہ کہا جاسکتا ہے،اس میں مجھے ہنوز تردد

ہے کہ اس کو مکروہ تحریمی کہا جائے، یا تنزیہی، دوسرے علماء سے بھی استصواب فرمالیں، اور یہ اس وقت ہے کہ تنبہ کے بعد بھی اس پر اصرار کرے، اور اگر تنبہ کے بعد توبہ کرلی، مگر فسخِ اجارہ، قدرت میں نہیں، تو اپنی پوری سعی فسخِ اجارہ میں کرلینے کے بعد امید ہے کہ معذور سمجھا جائے گا۔

واللّٰہ أعلم ۔محمد شفیع عفا اللہ عنہ۔۳/صفر/۱۳۸۳ھ (جواہر الفقہ، ج۷ص۵۱۰تا۵۱۴، کتاب الحظر والاباحۃ، رسالہ ’’تفصیل الکلام فی مسئلۃ الاعانۃ علی الحرام ‘‘یعنی ناجائز کاموں میں تعاون کی شرعی حیثیت، ناشر: مکتبہ دار العلوم، کراچی، طبع جدید: نومبر ۲۰۱۰ء)

مذکورہ مضمون میں مندرجہ ذیل چند باتیں محلِ کلام وقابلِ اختلاف ہیں:

پہلی بات تو یہ ہے کہ ’’ بیعِ عصیر عنب ممن یتخذہ خمراً ‘‘یا’’اجارۃ دار ممن یتعبد فیھا الاصنام‘‘ کو سببِ قریب قرار دینا، مفتی صاحب موصوف کی احکام القرآن میں اپنی بیان واختیار کردہ اس تصریح کے خلاف ہے، جو پیچھے ذکر کی گئی، کیونکہ وہاں مذکورہ امور کا سببِ بعید ہونا بیان کیا گیا تھا، جس کی عبارت یہ تھی:

”واما اذا کان سببا بعیدا کبیع العصیر لمن یتخذہ خمرا،او اجارۃ الدار لمن یتعاطن فیھا بالمعاصی،او عبادۃ غیر اللہ“

دوسری بات یہ ہے کہ مذکورہ عبارات میں کسی جگہ ’’سببِ بعید‘‘ پر کوئی امر ونہی کا حکم مرتب ہونے کی نفی کرنا، اور تمام احکام کے ’’سبب قریب‘‘ کے ساتھ وابستہ ہونے کا حکم لگانا، اور پھر کسی صورت کو ’’سببِ بعید‘‘ قرار دے کر اس پر کراہت، یا حرمت کے حکم کو مرتب کرنا، بظاہر باہم تعارض ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ کسی جگہ ایک صورت کو اعانت سے خارج کرنا، اور اس کے اعانت میں داخل ہونے کی نفی کرنا، اور پھر دوسری جگہ اسی کو اعانت میں داخل ماننا، یا اعانت کے بجائے، سبب میں داخل ماننا بھی تشویش واضطراب کا باعث ہے۔

اور ہمیں اس اضطراب کی وجہ یہ سمجھ آئی کہ اعانت وعدمِ اعانت، اور سببِ بعید، یا سببِ قریب کی یہ تقسیم فقہائے کرام سے ثابت نہیں، اور متعدد صورتوں میں فقہائے کرام کا اختلاف ہے، اور

فقہائے کرام کے اقوال و مذاہب کے ساتھ، ان کے دلائل و علل بھی مذکور ہیں، اس لئے زیادہ مناسب یہ ہوتا کہ اس تقسیم کے تکلف کے بجائے، فقہائے کرام کے اقوال و مذاہب اور ان کے دلائل کے تناظر میں متعلقہ صورتوں کے احکام بیان کرنے پر اکتفاء کیا جاتا، چنانچہ متعدد صورتیں، امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان اختلافی ہیں، اور بعض صورتیں، دیگر فقہائے کرام کے درمیان بھی اختلافی ہوسکتی ہیں، جبکہ مفتی صاحب موصوف کے مضمون میں ان اختلافی صورتوں کی تنقیح و تقسیم کے بغیر ''اعانت اور سببِ قریب و بعید'' کی تقسیم اور ان کے تناظر میں ان کے احکامات بیان کرنے پر اکتفاء کیا گیا ہے، اور پیچھے یہ معلوم ہو چکا کہ صاحبین و دیگر فقہائے کرام بعض ان صورتوں کو بھی اعانت میں داخل مانتے ہیں، جن کو مذکورہ مضمون میں اعانت سے خارج اور سببِ بعید میں داخل قرار دیا گیا ہے، جبکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک مفتی صاحب موصوف کی طرف سے بیان کردہ بعض صورتیں، سرے سے گناہ کا سبب ہی نہیں، بلکہ ''سببِ محض'' ہیں، البتہ گناہ میں استعمال کی نیت کا معصیت اور اجرت کا مکروہ ہونا، معصیت کا سبب قرار دئے بغیر ''سببِ محض کی صورت میں'' بھی ممکن ہے، اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک سببِ محض کی طرف کسی حکم کی نسبت کرنا درست نہیں۔

شمس الائمہ سرخسی ''سبب'' کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

السبب ما هو طريق الوصول إلى الشيء (أصول السرخسي، ج ٢، ص ٣٠٤، فصل في بيان تقسيم السبب)

ترجمہ: ''سبب'' وہ ہوتا ہے، جو کسی چیز کی طرف پہنچنے کا راستہ ہو (اصولِ سرخسی)

پھر ایک صورت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

فإنه سبب محض على معنى أنه طريق الوصول إلى المقصود عند غيره وذلك الغير ليس بمضاف إليه فيكون سببا محضا (أصول السرخسي، ج ٢، ص ٣١٠، فصل في بيان تقسيم السبب)

ترجمہ: پس یہ ''سببِ محض'' ہے، اس معنیٰ کر کہ یہ غیر کے نزدیک مقصود تک پہنچنے کا راستہ ہے، اور اس غیر کی طرف اس سبب کو منسوب نہیں کیا جائے گا، پس وہ سببِ محض

شمار ہوگا (گناہ کا سبب نہ ہوگا) (اصولِ سرخسی)

اس کا مطلب یہی ہے کہ جس گناہ کی بنیاد دوسرے فاعلِ مختار کے فعل پر ہو، جیسا کہ مبحوث فیہا مسائل میں ہے، اس میں اس فاعل کے علاوہ، دوسرے اس شخص کے فعل کو اس گناہ کا سبب قرار نہیں دیا جائے گا، جس نے کوئی دوسرا ایسا فعل، یا عقد کیا ہو، جو فی نفسہٖ جائز ہو، جیسا کہ شیرہ فروخت کرنا، یا مکان، دوکان وغیرہ کرایہ پر دینا، وغیرہ وغیرہ۔

اس سلسلہ میں مزید عبارات آگے آتی ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ جس صورت کو امام ابو حنیفہ، اور صاحبین کے نزدیک اختلافی قرار دیا گیا ہے، اور پھر مستفتی کی طرف سے خلاصۃ الفتاویٰ کی عبارت کے مطابق جو اس مطلب کو ترجیح دی گئی ہے کہ "امام ابو حنیفہ کے نزدیک یہ اجارہ اعانت علی المعصیت کا سبب ہونے کی وجہ سے موجبِ گناہ ہوگا"

یہ مطلب مراد لینا ان عبارات کے خلاف ہے، جن میں امام صاحب کے نزدیک سببِ معصیت ہونے کی نفی کی گئی ہے، اور گناہ کی نیت کرنے کو الگ سے گناہ قرار دیا گیا ہے، جس طرح گناہ کی تصریح کرنا بھی اعانت علی المعصیت ہوئے بغیر گناہ ہے۔

شمس الائمہ سرخسی نے ذمی کے مسلمان سے شراب بیچنے کے لئے گھر کرایہ پر لینے کے امام ابو حنیفہ کے نزدیک جائز ہونے کا حکم بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ گناہ نہیں، البتہ اس مقصود کی تصریح کرنا الگ سے معصیت ہے۔ [1]

اور شمس الائمہ سرخسی نے شراب بنانے والے کے ہاتھ شیرہ فروخت کرنے کے جواز کو بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر خریدار کی نیت وقصد میں فساد ہو، تو اس کو فروخت کرنے والے کی طرف منسوب

---

[1] وإذا استأجر الذمي من المسلم بيتا ليبيع فيه الخمر لم يجز؛ لأنه معصية فلا ينعقد العقد عليه ولا أجر له عندهما، وعند أبي حنيفة -رحمه الله- يجوز.

والشافعي -رحمه الله- يجوز هذا العقد؛ لأن العقد يرد على منفعة البيت ولا يتعين عليه بيع الخمر فيه فله أن يبيع فيه شيئا آخر يجوز العقد لهذا.

ولكنا نقول تصريحهما بالمقصود لا يجوز اعتبار معنى آخر فيه، وما صرحا به معصية (المبسوط، لشمس الائمة السرخسي، ج١٦، ص٣٨، كتاب الاجارات، باب الإجارة الفاسدة)

نہیں کیا جائے گا۔ [1]

اور شمس الائمہ سرخسی نے ہی نے اصول میں فرمایا کہ سببِ محض وہ ہوتا ہے، جو حکم تک پہنچنے کا راستہ ہو، لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس کی طرف وجوداً وعدماً حکم کو منسوب نہیں کیا جائے گا، جس پر کئی مسائل متفرع ہوتے ہیں، جیسا کہ غلام کی زنجیر کھولنا، یا اصطبل، یا پنجرہ کا دروازہ کھولنا، یا کسی کے مال کی خبر دینا، وغیرہ وغیرہ، کیونکہ یہ سب اسبابِ محض ہیں، جو مقصود تک پہنچنے کا راستہ ضرور ہیں، لیکن ان سب مقاصد کے حصول کے لئے درمیان میں فاعلِ مختار کے افعال کا تخلل موجود ہے۔ [2]

اور علاء الدین بخاری نے ''کشفُ الاسرار عن اصول البزدوی'' میں فرمایا کہ جب اس سبب پر جو حکم تک پہنچنے کا راستہ ہے، ایسی علت آڑے آ جائے، جس کی طرف حکم کی نسبت ہو، اور اس علت کی اس سبب کی طرف اضافت نہ ہو، تو وہ ''سببِ محض'' ہوتا ہے، جیسا کہ کسی کو چوری کرنے کے لئے کسی کے مال پر محض دلالت کرنا، کیونکہ اس سبب اور حصولِ مقصود کے درمیان ایسی

---

[1] ولا بأس ببيع العصير ممن يجعله خمرا؛ لأن العصير مشروب طاهر حلال، فيجوز بيعه، وأكل ثمنه، ولا فساد فى قصد البائع إنما الفساد فى قصد المشترى، ولا تزر وازرة وزر أخرى.

(ألا ترى) أن بيع الكرم ممن يتخذ الخمر من عينه جائز لا بأس به، وكذلك بيع الأرض ممن يغرس فيها كرما ليتخذ من عنبه الخمر، وهذا قول أبى حنيفة، وهو القياس، وكره ذلك أبو يوسف ومحمد رحمهما الله استحسانا (المبسوط، لشمس الأئمة السرخسى، ج۲۴، ص۲۶، كتاب الاشربة)

[2] السبب المحض وهو ما يكون طريقا للوصول إلى الحكم ولكن لا يضاف الحكم إليه وجوبا به ولا وجودا عنده بل تتخلل بين السبب والحكم العلة التى يضاف الحكم إليها وتلك العلة غير مضافة إلى السبب.

وذلك نحو حل قيد العبد فإنه طريق لوصول العبد إلى الإباق الذى هو متو مالية المولى فيه ولكن يتخلل بينه وبين الإباق الذى تتوى به المالية قصد وذهاب من العبد وهو غير مضاف إلى السبب السابق فيبقى حل القيد سببا محضا.

وعلى هذا قلنا لو فتح باب الاصطبل فندت الدابة أو باب القفص فطار الطير لم يجب الضمان عليه لأن العلة قوة الدابة فى نفسها على الذهاب وقوة الطير على الطيران وهو غير مضاف إلى السبب الأول.

وكذلك لو دل إنسانا على مال الغير فأتلفه أو على نفسه فقتله أو على قافلة حتى قطع الطريق عليهم لم يكن ضامنا شيئا لأن الدلالة سبب محض من حيث إنه طريق الوصول إلى المقصود ويتخلل بينه وبين حصول المقصود ما هو علة وهو غير مضاف إلى السبب الأول وذلك الفعل الذى يباشره المدلول (أصول السرخسى، ج۲، ص۳۰۶، ۳۰۷، فصل فى بيان تقسيم السبب)

www.idaraghufran.org

علت کا تخلل حائل ہوگیا، جو سببِ اول کی طرف منسوب نہیں۔ [1]

اور موصوف نے دوسرے مقام پر فرمایا کہ سببِ محض کی طرف حکم کی نسبت نہیں کی جائے گی، بلکہ حکم کی اضافت اس سبب کی طرف کی جائے گی، جس میں علت کے معنیٰ پائے جاتے ہوں۔ [2]

یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی کسی کے پنجرہ کے دروازہ کو کھول دے، جس سے دوسرے کا مملوک پرندہ اڑ کر ضائع ہوجائے، تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک اس کا ضمان وتاوان لازم نہیں ہوتا، اس کی دلیل بیان کرتے ہوئے علامہ کاسانی نے فرمایا کہ دروازہ کا کھولنا، اتلاف نہیں، نہ تو مباشرتاً اور نہ ہی تسبباً، کیونکہ پرندہ زندہ ہونے کی وجہ سے اڑنے میں خود مختار ہے، تو اڑنا اس کے اختیار کی طرف ہی منسوب ہوگا، اور دروازہ کھولنا، سببِ محض ہوگا، جس کو کوئی حکم حاصل نہ ہوگا۔ [3]

ایک اور مسئلہ کے ضمن میں بھی علامہ کاسانی نے یہی بات فرمائی ہے۔ [4]

---

[1] قوله (وإذا اعترض على السبب) أى على السبب الذى هو طريق للوصول إلى الحكم علة يضاف الحكم إليها ولا تضاف تلك العلة إلى ذلك السبب بوجه كان ذلك السبب محضا أى سببا حقيقيا وهو بيان القسم الأول من الأسباب مثل دلالة الرجل الرجل على مال الغير ليسرقه ففعل لم يضمن الدال شيئا؛ لأن الدلالة سبب محض إذ هى طريق الوصول إلى المقصود وقد تخلل بينها وبين حصول المقصود ما هو علة غير مضافة إلى السبب الأول وذلك الفعل الذى يباشره المدلول باختياره لم يكن الدال شريكا فى المصاب؛ لأنه صاحب سبب محض؛ لأن دلالته طريق للوصول إلى المقصود وتخلل بينها وبين المقصود علة غير مضافة إلى الدلالة وهى فعل القوم الصادر عن اختيارهم فلم يكن فى دلالته شىء من معنى العلة فلا يكون له شركة فى المصاب إلا إذا ذهب معهم ودلهم على الحصن فحينئذ يشركهم فى المصاب؛ لأن فعله إذا تسبيب فيه معنى العلة (كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوى، ج۴، ص ۱۷۷، ۱۷۸، باب معرفة أقسام الأسباب والعلل والشروط، باب تقسيم السبب)

[2] السبب المحض لا يضاف إليه الحكم ويضاف إلى السبب الذى فيه معنى العلة (كشف الأسرار عن أصول فخر الإسلام البزدوى، ج۴، ص ۱۸۳، باب معرفة أقسام الأسباب والعلل والشروط، باب تقسيم السبب)

[3] (وجه) قولهما أن الفتح ليس بإتلاف مباشرة ولا تسبيبا (أما) المباشرة فظاهرة الانتفاء.

(وأما) التسبيب فلأن الطير مختار فى الطيران؛ لأنه حى وكل حى له اختيار، فكان الطيران مضافا إلى اختياره والفتح سببا محضا، فلا حكم له كما إذا حل القيد عن عبد إنسان، حتى آبق أنه لا ضمان عليه لما قلنا كذا هذا (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۷، ص ۱۶۶، كتاب الغصب، فصل فى مسائل الإتلاف)

[4] والسبب إذا اعترض عليه فعل اختيارى يكون سببا محضا، والسبب المحض لا حكم له وإن كان صاحب السبب متعمدا فى مباشرة السبب كفتح باب الإصطبل والقفص حتى خرجت الدابة وضلت أو طار الطير وضاع (بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، ج۴، ص ۱۲، كتاب الرضاع، فصل فى صفة الرضاع المحرم)

بعض دیگر کتب میں بھی اسی اصول پر امام ابوحنیفہ کے نزدیک مسائل متفرع کر کے بیان کئے گئے ہیں۔ [1]

ظاہر ہے کہ مذکورہ صورتوں میں امام ابوحنیفہ کے نزدیک سبب نہ ہونے کی وجہ سے تاوان تو لازم نہ ہوگا، لیکن اگر نیت وقصد دوسرے کو اضرار ونقصان پہنچانے کا ہو، تو اس کا الگ سے گناہ ہوگا، البتہ جن معاملات میں بذاتِ خود اس کا اپنا فعل گناہ کا سبب وعلت ہو، اس کا حکم الگ ہوگا، فکذاھھنا۔

اس لئے حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے ''نیت وتصریح، بلکہ علمِ محض'' کی جن صورتوں کو ''اعانت علی المعصیت، یا سببِ معصیت'' قرار دیا ہے، یہ امام ابوحنیفہ کے مذہب کے مطابق راجح معلوم نہ ہوسکا، نیت اور تصریح کی صورت میں معاملہ کی نوعیت اور جواز کی علت وہی رہتی ہے، البتہ جس کی جیسی نیت وتصریح ہوگی، اس کا گناہ الگ ہوگا، اور ایسی نیت، یا تصریح کر کے معاملہ کرنا ''سببِ محض'' ہونے کے باوجود، گناہ کا باعث ہوگا، اسی کی تعبیر بعض حضرات نے اس معاملہ کے مکروہ وغیرہ ہونے سے کردی ہے، کیونکہ معصیت کی نیت وتصریح سے تو مباح، بلکہ طاعت والے عمل پر بھی معصیت، یا کراہت کا حکم لگایا جانا ممکن ہوا کرتا ہے، جیسا کہ کوئی مال وجاہ کے حصول کے لئے نماز پڑھے، یا اس کی زبان سے تصریح کرے، تو اس نیت وتصریح کے ساتھ نماز پڑھنا گناہ ہوگا، لیکن خود نماز ہی کو اعانت علی المعصیت، یا سببِ معصیت نہ کہا جائے گا، کیونکہ نماز تو اعانت علی الطاعت، یا سببِ طاعت والا عمل ہے، بلکہ اس فاسد نیت، وتصریح کو گناہ کہا جائے

---

[1] (ولا ضمان على من حل قيد عبد غيره أو) حل (رباط دابته) أى دابة غيره (أو فتح إصطبلها) أى إصطبل دابة الغير (أو) فتح (قفص طير) غيره (فذهب) العبد أو الدابة أو الطير عقيب ذلك الفعل هذا عند الشيخين؛ لأنه تخلل بين فعله والتلف فعل فاعل مختار وهو ذهاب العبد والدابة وطيران الطيور واختيارهم صحيح وتركهم منهم متصور والاختيار لا ينعدم بانعدام العقل فيضاف التلف إلى المباشر دون التسبيب كما فى الاختيار (خلافا لمحمد فى الدابة والطير) ؛ لأنه فرق بين ذى العقل وغيره ذكر هذا الخلاف صدر الشريعة والمفهوم من الشمنى وغيره أن الخلاف فى الطير؛ لأنه قال وعن محمد يضمن فى الطائر سواء طار من فوره أو مكث ساعة ثم طار؛ لأن الطائر مجبول على النفار قيدنا بالذهاب عقيب الفتح؛ لأنه لو مكث ساعة ثم ذهب لا يضمن عندنا وعند الشافعى خلافا لمحمد فى رواية.

وفى الاختيار ذهبت دابة رجل ليلا أو نهارا بغير إرسال صاحبها فأفسدت زرع رجل لا ضمان عليها؛ لأنها ذهبت باختيارها، وفعلها هدر، وإن أرسلها ضمن(مجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر، ج٢، ص٤٧٠، كتاب الغصب، فصل فى بيان مسائل تتصل بمسائل الغصب)

www.idaraghufran.org

گا،اوراس سے منع کیا جائے گا۔ [1]

جہاں تک اس سلسلہ میں ’’خلاصۃ الفتاویٰ‘‘ کی اس عبارت کا تعلق ہے،جس پر حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے انحصار فرمایا ہے،تو ہمیں خلاصۃ الفتاویٰ کے بیوع،اوراجارات وغیرہ کے ابواب وبیانات میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سے استفتاء کرنے والے صاحب کی نقل کردہ عبارت دستیاب نہیں ہوئی،اور مفتی صاحب موصوف نے بھی خود سے یہ عبارت اصل مرجع سے نکال کر نقل نہیں کی۔

اورہمیں ’’خلاصۃ الفتاویٰ ‘‘میں جو تصریح دستیاب ہوئی،ان میں ایک تو وہی ہے،جو پیچھے ان الفاظ میں ذکر کی گئی کہ:

والأفضل أن لا يبيع العصير ممن يتخذه خمراً(فتاوى قاضى خان، ج٣، ص ١١٧،كتاب الاشربة)

ترجمہ:اورافضل یہ ہے کہ انگور کا شیرہ اس شخص کو فروخت نہ کرے،جو اس کی شراب بنائے (قاضی خان)

اس کے علاوہ ہمیں خلاصۃ الفتاویٰ میں مندرجہ ذیل عبارات بھی دستیاب ہوئیں۔

’’خلاصۃ الفتاویٰ‘‘ کے بیوع کے بیان میں ہے:

بيع العصير ممن يتخذه خمرا لايكره عند ابى حنيفة وعندهما يكره ويجوز البيع بالاجماع (خلاصة الفتاوى، ج٣ص ١٠٠، كتاب البيوع،الفصل السادس عشر،الجنس الثالث،مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ شراب بنانے والے کو شیرہ فروخت کرنے میں امام ابوحنیفہ اورصاحبین کے درمیان اختلاف ہے،اور یہ اختلاف مکروہ ہونے نہ ہونے کا ہے،لیکن بیع منعقد ہونے میں اختلاف نہیں۔

اور’’خلاصۃ الفتاویٰ‘‘میں اجارات کے بیان میں ہے:

هكذا اطلق لكن هذا قولهما اما على قول ابى حنيفة لايكره وكذا كل

---

[1] لأن الأعمال بالنيات فكما يكون المباح طاعة بالنية تصير الطاعة معصية بالنية(رد المحتار على الدر المختار، ج٦،ص ٤٠٢،كتاب الحظر والاباحة،فصل فى البيع)

www.idaraghufran.org

موضع تعلق المعصية بفعل فاعل مختار ومن جملة ذالک لو آجر بيته ليتخذ فيه بيعة او كنيسة او بيت نار يطيب له وتمام هذا قد ذكرناه في كتاب البيوع (خلاصة الفتاوىٰ، ج۳ص ۱۴۹، كتاب الإجارات، الفصل العاشر في الحظر والإباحة،مكتبه رشيديه، كوئٹه)

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ہر وہ مقام جہاں گناہ فاعلِ مختار کے فعل کے ساتھ قائم ہو، جیسا کہ شراب بنانے والے کو شیرہ فروخت کرنا، اور گرجا گھر بنانے والے کو مکان کرایہ پر دینا، تو وہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک مکروہ نہیں، اور ان کی آمدنی حلال ہے۔

اور اگر خلاصۃ الفتاویٰ کی اس عبارت کو تسلیم بھی کرلیا جائے، تو فقہائے کرام کی دوسری تصریحات کے مطابق، اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر گھر کو شراب فروخت کرنے، یا دوسرے معصیت والے کاموں کے لئے اجرت پر دیا، اور اس کی نیت کی، یا تصریح کی، تو اس نیت، یا تصریح کا گناہ ہوگا، لیکن اس سے یہ بات ثابت نہیں ہوتی کہ گناہ کی وجہ یہ ہے کہ اس نے گناہ میں اعانت کی، یا وہ گناہ کا سبب بنا۔

کیونکہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ''سببِ محض'' کی طرف حکم کی اضافت نہیں کی جاتی، اور اس معاملہ اور عقد کو ''اعانت علی المعصیت، یا معصیت کا سبب'' قرار دینے کا مطلب واضح طور پر اس کی طرف حکمِ معصیت کی نسبت واضافت کرنا ہے، جس کا امام ابوحنیفہ کے مذہب، اور خاص مبحوث فیہا مسائل میں بیان کردہ تعلیلات پر منطبق ہونا، مشکل ہے۔

پانچویں بات یہ ہے کہ مفتی صاحب موصوف کی طرف سے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے درمیان صرف اس صورت کو مختلف فیہ قرار دینا، جس میں نیت وتصریح کچھ بھی نہ ہو، البتہ علم ہو کہ یہ شخص شیرۂ انگور خرید کر، شراب بنائے گا، یا مکان کرایہ پر لے کر فسق وفجور کرے گا، یا سودی کاروبار کرے گا، یا لوہا خرید کر مسلمانوں کے خلاف استعمال کرے گا، اور پھر اس بیع واجارہ پر علی الاطلاق مکروہ ہونے کا حکم لگانا، اور ساتھ ہی اس مخصوص صورت میں دو تعبیرات، یا مطالب میں سے ہر ایک کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک گناہ ومعصیت قرار دینا، فقہائے کرام کی تصریحات سے مطابقت نہیں رکھتا، کیونکہ علم، نیت اور تصریح کی تمام صورتیں ہی مختلف فیہا ہیں، اور ان سب صورتوں میں صاحبین

کے نزدیک عقد کے باطل، یا مکروہ، یا گناہ پر اعانت وغیرہ ہونے کی مختلف تعبیرات ملتی ہیں، اور اس کے برعکس امام ابوحنیفہ کے نزدیک عقد کے معتبر، جائز، غیر مکروہ، اور ثمن، وکرایہ کے حلال وطیب سب کچھ ہونے، اور ساتھ ہی امام ابوحنیفہ کے نزدیک اعانت علی المعصیت اور سببِ معصیت کی نسبت کی تردید ملتی ہے۔

اس سلسلہ میں دیگر حضرات کے ساتھ ساتھ علامہ قاضی زادہ آفندی (المتوفیٰ: 988ھ) کے حوالہ سے یہ تصریح بھی گذر چکی ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک اپنے مکان کو اس مقصد کے لئے کرایہ پر دینا، تاکہ کرایہ پر لینے والا، اس میں گرجا گھر بنائے، یا شراب کو فروخت کرے، یہ جائز ہے، کیونکہ اس میں فاعلِ مختار کے فعل کا تخلل موجود ہے۔

اور امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اختلاف کو نظر انداز کر کے، جن حضرات نے دونوں اقوال کو خلط ملط کر دیا، وہ درست نہیں، اس طرح کا التباس اور بھی کئی مسائل میں واقع ہوا ہے۔ [1]

پس کسی ایک مجمل، اور وہ بھی نامکمل حوالہ وعبارت سے امام ابوحنیفہ کے اصل مذہب کے برعکس دوسرے مطلب کو ترجیح دینا، اور دو مختلف مجتہدین کے اقوال کو خلط ملط کرنا، درست معلوم نہ ہوسکا، بالخصوص جبکہ اس طرح کی عبارات کو درست محمل پر محمول کرنا بھی ممکن ہو، جیسا کہ گذرا۔ (جاری ہے......)

---

[1] قال شیخ الإسلام :وأراد بهذا إذا استأجرها الذمی لیسکنها، ثم أراد بعد ذلک أن یتخذ کنیسة أو بیعة فیها، فأما إذا استأجرها فی الابتداء لیتخذها بیعة أو کنیسة لا یجوز إلی هنا لفظ الذخیرة والمحیط .قال: بعض المتأخرین بعد نقل ذلک عن صاحب المحیط :ولا خفاء فیما بینه وبین ما ذکره المصنف من التنافی . أقول :إن التنافی بینهما ممنوع .إذ یجوز أن یکون بناء قول شیخ الإسلام فأما إذا استأجرها فی الابتداء لیتخذها بیعة أو کنیسة لا یجوز علی قول أبی یوسف ومحمد فی هذه المسألة، لکون مختار نفسه قولهما، وإنما یلزم التنافی بینهما .أن لو قال لا یجوز عند أبی حنیفة أو قال لا یجوز عندهم جمیعا ولیس فلیس . وذکر أحد القولین فی المسألة الخلافیة بدون بیان الخلاف لیس بعزیز فی کلام الثقات .وعن هذا نری کثیرا من أصحاب المتون یذکرون قول أبی حنیفة فی کثیر من المسائل الخلافیة بدون بیان الخلاف .ثم الشراح یبینون الخلاف الواقع فی ذلک، وکیف لا یکون مراد شیخ الإسلام بقوله المزبور ما ذکرناه..

وقد صرح محمد -رحمه الله -فی الجامع الصغیر بأنه لا بأس عند أبی حنیفة أن تؤاجر بیتک لیتخذ فیه بیت نار أو کنیسة أو بیعة أو یباع الخمر فیه بالسواد .وهل یلیق بمثل شیخ الإسلام أن یغفل عن مسألة الجامع الصغیر .ثم قال ذلک البعض :ثم کلام المصنف صریح فی أن إجارة البیت لیباع فیه الخمر مع کونه معصیة إنما صحت عند أبی حنیفة لتخلل فعل فاعل مختار (تکملة فتح القدیر لقاضی زاده آفندی، ج ١٠، ص ٦٠، ٦١، کتاب الکراهیة، فصل فی البیع)

www.idaraghufran.org

کیا آپ جانتے ہیں؟ مفتی محمد رضوان

دلچسپ معلومات، مفید تجزیات اور شرعی احکامات پر مشتمل سلسلہ

''رسومِ افتاء و اصولِ افتاء'' پر کلام (قسط: 10)

شیخ صالح بن محمد العَمری الفُلّانی (المتوفیٰ: 1218ھ) اپنی تالیف ''إیقاظ همم أولی الأبصار للاقتداء بسید المهاجرین و الأنصار'' میں فرماتے ہیں کہ:

وهذا الكلام كله فى العامى إذا اتفق له معرفة الحديث بصحته ومعناه وأن أحدا من أهل الاجتهاد قد أخذ به وأما من له أهلية فالأخذ بالحديث فى حقه أو كد وأوجب إذا أخذ به بعض الأئمة وعمله بخلافة بعد ظهوره تقليدا لأحد أى أحد كان أخوف كيف وقد قال تعالى "فليحذر الذين يخالفون عن أمره أن تصيبهم فتنة أو يصيبهم عذاب أليم"

وقد عرفت أن مقتضى تقليدهم أيضا الأخذ بالحديث لقولهم اتركوا قولى لخبر الرسول صلى الله عليه وسلم فتقليدهم فى هذه الصورة كما هو ترك لخبر رسول الله صلى الله عليه وسلم فهو ترك لتقليدهم أيضا حقيقة سيما إذا ظهر للإنسان حديث على وفق مذهب أحد من الأئمة المشهورين (إيقاظ همم أولى الأبصار للاقتداء بسيد المهاجرين والأنصار، ص ١٨٢، المقصد الأول فيما قال الإمام أبو حنيفة وأصحابه أهل المناقب المنيفة، باب من يصلح للفتوىٰ، الناشر: دارالفتح للنشر والتوزيع، الشارقة، الطبعة الاولىٰ ١٩٩٧م)

ترجمہ: اور یہ تمام تر کلام ''عامی'' شخص کے حق میں ہے، جب اتفاقاً اس کو حدیث کی صحت، اور اس کے معنیٰ کی معرفت حاصل ہو جائے، اور یہ بھی پتہ چل جائے کہ اہلِ اجتہاد میں سے کسی نے اس حدیث کو لیا ہے (کہ اس صورت میں بالاتفاق اس کو حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، اس صورت میں امام ابو یوسف کا بھی اختلاف نہیں) اور رہا وہ شخص، جس کو مذکورہ اہلیت حاصل ہو، تو اس کے حق میں حدیث کو اختیار کرنے کا حکم،

www.idaraghufran.org

زیادہ تاکیدی اور زیادہ واجب ہے، جبکہ اس حدیث کو بعض ائمہ نے لیا ہو، اور اس شخص کا مذکورہ امر کے ظاہر ہونے کے بعد، کسی کی بھی تقلید کرتے ہوئے، مذکورہ حدیث کی خلاف ورزی کرنا، بہت زیادہ قابلِ خوف طرزِ عمل ہے، اور ایسا کیونکر نہیں ہوگا، جبکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''فلیحذر الذین یخالفون عن أمره أن تصیبهم فتنة أو یصیبهم عذاب ألیم '' (یعنی ''ان لوگوں کو ڈرنا چاہیے، جو اس کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں، اس بات سے کہ انہیں کوئی فتنہ پہنچے، یا انہیں عذابِ الیم پہنچے)

اور آپ یہ بات جان چکے ہیں کہ مجتہدین کی تقلید کا تقاضا بھی یہی ہے کہ حدیث کو لیا جائے، کیونکہ وہ یہ واضح فرما چکے ہیں کہ تم ہمارے قول کو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کی وجہ سے ترک کردو، فلہٰذا اس صورت میں ان کی (مجتہدین کی حدیث کے برخلاف اقوال میں) مذکورہ تقلید کرنا، جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کو ترک کرنا ہے، اسی طرح مجتہدین کی حقیقی تقلید کو بھی ترک کرنا ہے، خاص طور پر جب کہ کسی انسان کے لیے یہ بات ظاہر ہوجائے کہ یہ حدیث مشہور ائمہ میں سے، کسی کے مذہب کے موافق ہے (ایقاظ)

حنفیہ کی دیگر معتبر کتب میں بھی اس کی تفصیل موجود ہے، جس کے حوالہ جات ہمارے علمی وتحقیقی سلسلہ، اور بعض الگ علمی تالیفات میں مطبوع وموجود ہیں۔

جو اس بات کو ظاہر کرتے ہیں کہ جس طرح حنفیہ کی ظاہر الروایۃ، اور امام ابوحنیفہ، اور امام محمد کے مذہب کے مطابق عامی کے لئے حدیث پر عمل کرنا جائز ہے، جس کے قوی وراجح ہونے کی وجوہات پہلے ذکر کی جاچکی ہیں۔

اسی طرح مذہبِ معین کی پابندی لازم نہ ہونے پر ائمہ ثلاثہ حنفیہ کا اتفاق واجماع ہے۔

اور یہ امر نہایت حیرت واستعجاب کا باعث ہے کہ غیر مجتہد کے لئے خواہ کسی مخصوص مذہب، وشخصیت کی پابندی کے بغیر مطلق تقلید کا مسئلہ ہو، یا کسی مجتہد کی ترکِ تقلید کی صورت میں حدیثِ رسول کی اتباع کا مسئلہ ہو، جو کہ دراصل رسول کی اتباع میں داخل ہے، یہ دونوں مسئلے ایک ہی مسئلہ کے ضمن

میں اصحابِ حنفیہ کی طرف سے بیان کردیئے گئے تھے، جن کو ہر زمانہ اور تمام ادوار میں نقل کیا جاتا رہا، لیکن چند متاخرین کے تسامحات کی وجہ سے یہ دونوں مسائل الجھا کر رکھ دیئے گئے، اور ان میں طرح طرح سے تاویلات کا راستہ اختیار کیا گیا۔

اور جہاں تک فاضل موصوف کے یہ فرمانے کا تعلق ہے کہ:

”متبحر فقیہ اور مفتی ہو، جس کی قرآن کریم، اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ پر گہری اور وسیع نظر ہو، اور اس کو کوئی صحیح اور صریح حدیث اپنے امام کے مذہب کے خلاف مل جائے، اور مکمل تحقیق اور تلاش کے باوجود، اس کو اس حدیث کے معارض کوئی ایسی حدیث نہ ملے، جو اپنے امام کے قول کے مطابق ہو“ (کمیشن اور بروکری کے جدید مسائل، ص ۱۵۲، مطبوعہ: مکتبہ معارف السنۃ، کمیٹی چوک، راولپنڈی، طبع اول ۲۰۲۴ء)

تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم پیچھے امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا راجح مذہب حجامہ کے مسئلہ میں ذکر کر چکے ہیں، جو مندرجہ بالا ”متبحر فقیہ اور مفتی“ کے بجائے عامی سے متعلق ہے، اور حجامہ سے روزہ کے فساد کی حدیث کے متعارض بھی عدمِ فساد کی حدیث موجود ہے، جس سے فاضل موصوف اور ان کے متبوعین کے مذکورہ دعوے کا بطلان ظاہر ہو گیا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ ایک طرف تو فاضل موصوف ”متبحر فقیہ اور مفتی“ جس کی قرآن کریم، اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ پر گہری اور وسیع نظر کے حامل افراد کے ہونے کا اعتراف کرتے ہیں، جو مجتہد مفتی کی شان ہوتی ہے، مقلدِ محض کے لئے یہ بات ممکن نہیں۔

اور دوسری طرف فاضل موصوف، اس کے بالکل متضاد و برعکس علامہ ابنِ عابدین شامی کی مندرجہ ذیل عبارت کے پیشِ نظر آج سے سینکڑوں سال پہلے مفتی مجتہد کے منقطع ہو جانے اور مقلدِ محض کے باقی رہ جانے کا بھی دعویٰ کرتے ہیں:

انقطع المفتی المجتهد فی زماننا ولم یبق إلا المقلد المحض (شرح عقود رسم المفتی: ۲۱)

اور دوسری بات یہ ہے کہ ابھی تک فاضل موصوف اور ان کے متبوع حضرات کو ”متبحر، فقیہ، اور مفتی“ کی اس تعریف سے ہی واقفیت حاصل نہیں، جو فقہائے کرام نے بیان کی ہے۔

اس کے نتیجہ میں تبحر کی حقیقت اور اس کے احکام کے متعلق ایک عرصہ سے بعض علمی حلقوں میں مختلف غلط فہمیاں پائی جارہی ہیں، ان کی طرف توجہ ضروری ہے۔

تو جاننا چاہیے کہ ’’متبحر فی المذهب‘‘ دراصل ’’مجتهد فی الفتیا‘‘ کو کہا جاتا ہے، جس کو کسی خاص مذہب کے مسائل کی ممارست ومزاولت سے یہ مقام حاصل ہوجاتا ہے کہ وہ اس مذہب کے مختلف اقوال میں ترجیح کی قابلیت رکھتا ہے۔

اس کے بجائے متبحر فقیہ ومفتی کے لئے ’’قرآن کریم، اور احادیثِ مبارکہ کے ذخیرہ پر گہری اور وسیع نظر ہونے‘‘ کی شرط لگانا درست نہیں۔

چنانچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں:

ودونه في المرتبة مجتهد الفتيا وهو المتبحر في مذهب إمامه المتمكن من ترجيح قول على آخر ووجه من وجوه الأصحاب على آخر (عقد الجيد في أحكام الاجتهاد والتقليد، ص ۵،مقدمة، الناشر: دارالكتب، بشاور، الطبعة الأولىٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: اور اس (مجتہدِ خاص) سے نیچے مجتہدِ فتیا ہے، جو اپنے امام کے مذہب میں تبحر حاصل کرلے، وہ ایک قول کو دوسرے قول پر، اور اصحاب کی ایک وجہ کو دوسری پر ترجیح دینے کی قابلیت رکھتا ہے (عقدالجید)

اور فقہائے محققین نے مفتی کے لئے تبحر کی قید دراصل اس لئے لگائی کہ ہر مذہب میں مختلف طرح کے اقوال ہوا کرتے ہیں، جو سب کے سب صحیح نہیں ہوتے، اس لئے کسی بھی مذہب کے مطابق فتویٰ دینے کے لئے ضروری ہے کہ اتنا تبحر پیدا ہوجائے کہ اس کو صحیح وغیر صحیح اور راجح وغیر راجح میں امتیاز وتمیز حاصل ہوجائے، ورنہ اس کے بغیر کسی مستفتی کو بھی اس مذہب پر فتوے وعمل کی صحیح طور پر رہنمائی ممکن نہ ہوگی، اسی لئے انہوں نے کسی بھی مذہب کے غیر متبحر کو فتوی کی اجازت سے منع فرمادیا ہے۔

چنانچہ ابنِ امیر حاج، علامہ ابنِ ہمام کی اصولِ فقہ سے متعلق ’’التحریر‘‘ کی شرح میں فرماتے ہیں:

(وینکر) الإفتاء (من غیرہ) أی غیر المتبحر بمذهب المجتهد فکان إجماعا علی جواز فتیا المتبحر وعدم جواز فتیا غیرہ (التقریر والتحبیر، ج۳،ص ۳۴۷،المقالة الثالثة)

ترجمہ: اور فتویٰ دینے سے، مجتہد کے مذہب کے غیر متبحر کو انکار کیا جائے گا، پس اجماع ہوگیا متبحر کے فتویٰ دینے کے جواز پر، اور غیر متبحر کے فتوی دینے کے عدمِ جواز پر (التقریر)

اور جب متبحر، دراصل مجتہدِ ترجیح ہوتا ہے، تو جس طرح وہ اپنے اجتہاد سے ایک مذہب کے کسی مسئلہ میں ترجیح دے سکتا ہے، اسی طرح اگر اسے کسی مسئلہ میں دوسرے امام کے مذہب کی اپنے، یا دوسرے امام کے مذہب کے متبحر کے اجتہاد سے ترجیح معلوم ہو جائے، تو اس میں بھی مانع نہیں، اس طرح اپنے اور دوسرے مذاہب میں جس مسئلہ میں اس کے لئے ترجیح معلوم ہو، وہی اس کا مذہب شمار ہوتا ہے۔

اور اگر ترجیح معلوم نہ ہو، تو اس کی حیثیت عامی کی ہے، جس کو خود سے ترجیح دے کر فتویٰ دینے کے بجائے کسی متبحر کے فتوے، یا اس مذہب کے مسائلِ معلومہ ومعروفہ کو نقل کرنا جائز ہے، خواہ وہ کسی بھی مذہب کے ہوں، کیونکہ غیر معلومہ کے لئے اجتہاد کی ضرورت ہے۔

لیکن یہ ضروری ہے کہ جس مذہب کے مطابق فتویٰ دے، یا فتوے کو نقل کرے، اس کی نسبت اسی کی طرف کرے۔

چنانچہ علامہ ابنِ نجیم ''کنزُ الدقائق'' کی شرح میں فرماتے ہیں

فعلی هذا من عرف مذهب مجتهد وتبحر فیه جاز أن یفتی بقول ذلک المجتهد ولیضف إلی المذهب إن لم یعلم أنه یفتی علیه، ولا یجوز لغیر المتبحر إلا فی مسائل معلومة من المذهب (البحر الرائق، ج۶، ص ۲۹۰، کتاب القضاء، فصل فی المستفتی)

ترجمہ: پس اس بناء پر جو شخص کسی مجتہد کے مذہب کی معرفت حاصل کر لے، اور اس میں تبحر پیدا کر لے، اس کے لئے جائز ہے کہ وہ اس مجتہد کے قول کے مطابق فتویٰ

دے، اور اس فتوے کے حکم کی نسبت اسی مذہب کی طرف کرے، اگر معلوم نہ ہو کہ وہ اس مذہب پر فتوی دے رہا ہے (اگر مستفتی کو معلوم ہے، تو پھر نسبت کئے بغیر بھی جائز ہے، کیونکہ اس میں مستفتی کے لئے دھوکہ نہیں) اور غیر متبحر کو مذہب کے مسائلِ معلومہ میں ہی فتویٰ دینا جائز ہے (غیر متبحر کو جائز نہیں) (بحر)

زکریا بن محمد بن زکریا انصاری سنیکی شافعی، اور دیگر متعدد حضرات نے بھی یہی حکم بیان کیا ہے، ساتھ ہی اجتہاد میں تجزی کو بھی جائز کہا ہے، جس سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس طرح ''متبحر فی المذہب'' کو اپنے کسی مذہب کے مسئلہ میں اجتہاد سے ترجیح دینے کی قدرت کا ہونا جائز ہے، اسی طرح دوسرے مذہب کے مسئلہ، یا مسائل میں اجتہاد سے ترجیح دینے کی قدرت کا ہونا بھی جائز ہے۔ [1]

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی مذکورہ تالیف میں ہی فرماتے ہیں:

وقال أبو الفتح الهروى وهو من تلامذة الإمام مذهب عامة الأصحاب فى الأصول أن العامى لا مذهب له فإن وجد مجتهدا قلده وإن لم يجده ووجد متبحرا فى مذهب قلده فإنه يفتيه على مذهب نفسه.

وهذا تصريح بأنه يقلد المتبحر فى نفسه.(عقد الجيد فى أحكام الاجتهاد

[1] (ولا يجوز لغير المتبحر) أن يفتى؛ لأنه ربما ظن ما ليس مذهبا له مذهبه لقصور فهمه وقلة اطلاعه على مظان المسألة واختلاف نصوص ذلك المذهب والمتأخر منها والراجح (إلا فى مسائل معلومة من المذهب)(أسنى المطالب فى شرح روض الطالب، ج۴، ص ۲۸۱، كتاب القضاء، فرع ليس لمجتهد تقليد مجتهد)

وَدُونَ هذا المجتهد فى الفتيا، وهو المتبحر فى مذهب إمامه بحيث يقدر على ترجيح أحد قولى إمامه، ولكن لا يقدر على التخريج

قوله" :والصحيح جواز تجزؤ الاجتهاد "(الدرر اللوامع فى شرح جمع الجوامع، للكورانى، ج۴، ص ۱۱۴، الكتاب السابع فى الاجتهاد، والتقليد)

ودونه فى الرتبة مجتهد الفتيا، وهو :المتبحر فى مذهب إمامه المتمكن من ترجيح قوله على آخر إذا أطلقهما.

والصحيح جواز تجزء الاجتهاد :بأن يحصل لبعض الناس قوة الاجتهاد فى بعض الأبواب بأن يعلم أدلته باستقراء منه، أو من مجتهد كامل وينظر فيها(تيسير الوصول إلى منهاج الأصول من المنقول والمعقول، لا بن الامام الكاملية، ج٦، ص٣٠٧، الباب الثانى، الفصل الاول)

www.idaraghufran.org

والتقليد، ص ۸۲، باب بلاترجمة بعد فصل فی العامی ، الناشر: دارالکتب، بشاور، الطبعة الأولیٰ: ۱۴۳۴ھ، ۲۰۱۳م)

ترجمہ: اورابوالفتح ہروی نے فرمایا، جوکہ امام کے تلامذہ میں سے ہیں کہ اکثر اصحاب کا اصول میں مذہب یہ ہے کہ عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوا کرتا، اس لیے وہ اگر کسی مجتہد کو بھی پائے، تو وہ اس کی تقلید کرلے، اور اگر وہ مجتہد کو نہ پائے، اور متبحر فی المذهب کو پائے، تو اس کی تقلید کرلے، پس وہ متبحر فی المذهب، اپنے مذہب کے مطابق اس کو فتویٰ دے دے۔

اور یہ اس بات کی تصریح ہے کہ متبحر کی بذاتِ خود تقلید کی جایا کرتی ہے (اور راجح بھی یہی ہے) (عقدالجید)

اس سے معلوم ہوا کہ متبحر فی المذہب کا مذہب اس کا ذاتی ہوسکتا ہے، جس کی تقلید بھی کی جاسکتی ہے، جو اس کے تبحرِ اجتہادی کے رجحان سے قائم ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی اس سے اتفاق نہ کرے، اور یہ دعویٰ کرے کہ متبحر کا اپنے اجتہاد ورجحان سے کوئی مذہب قائم نہیں ہوسکتا، بلکہ وہ مقلدِ محض کی طرح ہوتا ہے، تو یہ اکثر کے خلاف قول پر مبنی ہے، اور وہ عامی کے مذہب معین ہونے کے مرجوح قول پر مبنی ہے، کیونکہ اصح وراجح قول کے مطابق عامی کا کوئی مذہب نہیں ہوتا، اور اگر وہ کوئی مذہب بنالے، تب بھی اس پر استمرار واجب ولازم نہیں ہوتا، جیسا کہ اوپر کی عبارت سے، اور اس سے پہلی عبارات سے معلوم ہوچکا۔

متبحر فی المذهب چونکہ عام طور پر مخصوص مذہب، اور اس میں مختلف اقوال میں ترجیح کے اعتبار سے مجتہد ہوتا ہے، اب فقہاء نے اس کے لئے جہاں دوسرے مسائل بیان فرمائے ہیں، ان کے ضمن میں ایک مسئلہ یہ بھی بیان کیا ہے کہ اگر اس کو کوئی صحیح حدیث، اپنے مذہب کے مخالف ملے، تو اس کے لیے حدیث کو لینے، اور اپنے مذہب کو ترک کرنے کا کیا حکم ہے؟

اس کے متعلق مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔

(جاری ہے............)

عبرت کدہ **مولانا طارق محمود**

﴿اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَعِبْرَۃً لِّاُولِی الْاَبْصَارِ﴾

عبرت وبصیرت آمیز حیران کن کائناتی تاریخی اور شخصی حقائق

حضرت حزقیل علیہ السلام (قسط 2)

زمانہ اور بعثت

حضرت حزقیل کا زمانہ ''بخت نصر'' (Nebuchadnezzar) کے قریب کا ہے، جب بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کے سبب ''بابلی اسارت (Babylonian Captivity)'' مسلط کی تھی۔ [1]

قرآن وسنت میں حضرت حزقیل کا ذکر

قرآن مجید میں ان کا نام براہِ راست مذکور نہیں، لیکن مفسرین کے مطابق سورہ بقرہ کی مندرجہ ذیل آیت میں ان کا اشارہ ہے:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ (سورۃ البقرۃ، رقم الآیۃ ۲۴۳)

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کی طرف، جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے، موت کے ڈر سے، پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ، پھر زندہ کر دیا ان کو، بے شک اللہ یقیناً فضل والا ہے، لوگوں پر، اور لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے (سورہ بقرہ)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کا ذکر فرمایا ہے، جن کی تعداد ہزاروں میں تھی، لیکن وہ موت

---

[1] إنه كان فی زمن حزقیل، من الملوک: بخت نصر البابلی، وهو الذی أفنی ملوک أهل هذا الزمان، لأنه كان یفتح الحصون ویقتل من فیها، وكان فی هذا الزمان عدة من الأنبیاء، منهم: أرمیاء(المنتظم لابن الجوزی، ذكر الملوک، التی كانت فی زمن حزقیل)

کے ڈر سے اپنے گھروں سے نکل کر بھاگے، پھر ان کو اللہ نے اپنے حکم سے وفات دے دی، پھر اس کے بعد اللہ نے اپنی قدرت سے ان کو زندہ کردیا، کیونکہ اللہ لوگوں پر بڑے فضل والا ہے کہ اس طرح دوبارہ زندہ کرکے اپنی قدرت کا کرشمہ اور قیامت کا نمونہ لوگوں کو دکھلا دیا۔ [1]

اس آیت کے متعلق حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو اللہ کے ایک نبی کی دعاء سے دوبارہ زندہ کیا گیا تھا، اور سلف صالحین کی روایات اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اللہ کے نبی حضرت حزقیل علیہ السلام تھے۔

چنانچہ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ:

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، فِي قَوْلِهِ تَعَالَى :(أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ، وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ) قَالَ " :كَانُوا أَرْبَعَةَ آلَافٍ، خَرَجُوا فِرَارًا مِنَ الطَّاعُونِ، وَقَالُوا :نَأْتِي أَرْضًا لَيْسَ بِهَا مَوْتٌ. فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ :مُوتُوا فَمَاتُوا فَمَرَّ بِهِمْ نَبِيٌّ، فَسَأَلَ اللَّهَ أَنْ يُحْيِيَهُمْ فَأَحْيَاهُمْ، فَهُمُ الَّذِينَ قَالَ اللَّهُ عَزَّ وَجَلَّ :(وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ)

(مستدرک حاکم، رقم الحديث ۳۱۱۳) [2]

ترجمہ: حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اللہ تعالیٰ کے قول:

”اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ“

کے بارے میں فرمایا کہ وہ چار ہزار لوگ تھے، جو طاعون سے راہِ فرار اختیار کرکے نکلے

---

[1] (ألم تر) استفهام تعجيب وتشويق إلى استماع ما بعده أى ينته علمك (إلى الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف) أربعة أو ثمانية أو عشرة أو ثلاثون أو أربعون أو سبعون ألفا (حذر الموت) مفعول له وهم قوم من بنى إسرائيل وقع الطاعون ببلادهم ففروا (فقال لهم الله موتوا) فماتوا (ثم أحياهم) بعث ثمانية أيام أو أكثر بدعاء نبيهم حزقيل بكسر المهملة والقاف وسكون الزاى فعاشوا دهرا عليهم أثر الموت لا يلبسون ثوبا إلا عاد كالكفن واستمرت فى أسباطهم (إن الله لذو فضل على الناس) ومنه إحياء هؤلاء (ولكن أكثر الناس) وهم الكفار (لا يشكرون) والقصد من ذكر خبر هؤلاء تشجيع المؤمنين على القتال ولذا عطف عليه(تفسير الجلالين، سورة البقرة، تحت رقم الآية ۲۴۳)

[2] قال الحاكم: هَذَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ عَلَى شَرْطِ الشَّيْخَيْنِ، وَلَمْ يُخَرِّجَاهُ.

و قال الذهبى فى التلخيص: ميسرة لم يرويا له.

www.idaraghufran.org

تھے، اور انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم ایسی جگہ آ گئے ہیں، جہاں موت نہیں آئے گی، تو ان کو اللہ نے یہ حکم فرمایا کہ ”تم مرجاؤ“، تو وہ مرگئے، پھر ان کے قریب سے ایک نبی گزرے، جنہوں نے اللہ سے یہ دعاء کی کہ وہ ان لوگوں کو زندہ فرمادے، اللہ نے ان لوگوں کو زندہ کردیا، پس یہ وہی لوگ ہیں، جن کے بارے میں اللہ عزوجل نے (قرآن مجید میں) فرمایا کہ ”وَهُمْ اُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ“ (حاکم)

اکثر مفسرین حضرات نے اس آیت میں حضرت حزقیل علیہ السلام کی طرف اشارہ ہونے کی نسبت کی ہے۔ [1]

(جاری ہے..........)

[1] وروى ابن أبي حاتم عن ابن عباس، قال: كانوا أهل قرية يقال لها داوردان .وكذا قال السدى وأبو صالح وزاد من قبل واسط، وقال سعيد بن عبد العزيز: كانوا من أهل أذرعات، وقال ابن جريج عن عطاء قال: هذا مثل .وقال على بن عاصم: كانوا من أهل داوردان قرية على فرسخ من قبل واسط .وقال وكيع بن الجراح في تفسيره: حدثنا سفيان عن ميسرة بن حبيب النهدى، عن المنهال بن عمرو الأسدى، عن سعيد بن جبير، عن ابن عباس ألم تر إلى الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف حذر الموت قال: كانوا أربعة آلاف خرجوا فرارا من الطاعون قالوا: نأتي أرضا ليس بها موت حتى إذا كانوا بموضع كذا وكذا قال الله لهم موتوا فماتوا، فمر عليهم نبي من الأنبياء، فدعا ربه أن يحييهم فأحياهم، فذلک قوله عز وجل ألم تر إلى الذين خرجوا من ديارهم وهم ألوف حذر الموت الآية .

وذكر غير واحد من السلف، أن هؤلاء القوم، كانوا أهل بلدة في زمان بني إسرائيل استوخموا أرضهم، وأصابهم بها وباء شديد، فخرجوا فرارا من الموت، هاربين إلى البرية...... فلما كان بعد دهر، مر بهم نبي من أنبياء بني إسرائيل، يقال له حزقيل، فسأل الله أن يحييهم على يديه، فأجابه إلى ذلک، وأمره أن يقول: أيتها العظام البالية، إن الله يأمرک أن تجتمعي، فاجتمع عظام كل جسد بعضها إلى بعض، ثم أمره فنادى: أيتها العظام إن الله يأمرک أن تكتسي لحما وعصبا وجلدا، فكان ذلک وهو يشاهد، ثم أمره فنادى: أيتها الأرواح، إن الله يأمرک أن ترجع كل روح إلى الجسد الذي كانت تعمره فقاموا أحياء ينظرون قد أحياهم الله بعد رقدتهم الطويلة وهم يقولون: سبحانک لا إله إلا أنت(تفسير ابنِ كثير، ج ا ص ۵۰۲، سورة البقرة)

وقيل: مر عليهم حزقيل بعد زمان طويل وقد عريت عظامهم وتفرقت أوصالهم فلوى شدقه وأصابعه تعجبا مما رأى، فأوحى إليه: ناد فيهم أن قوموا بإذن الله، فنادى، فنظر إليهم قياما يقولون: سبحانک اللهم وبحمدک لا إله إلا أنت .وقيل: هم قوم من بني إسرائيل دعاهم ملكهم إلى الجهاد فهربوا حذرا من الموت، فأماتهم الله ثمانية أيام ثم أحياهم وهم ألوف فيه دليل على الألوف الكثيرة .واختلف في ذلک، فقيل عشرة، وقيل ثلاثون، وقيل سبعون(تفسير الكشاف للزمخشري، ج ا ص ۲۹۰، سورة البقرة)

ثم أحياهم قيل مر حزقيل عليه السلام على أهل داوردان وقد عريت عظامهم وتفرقت أوصالهم، فتعجب من ذلک فأوحى الله تعالى إليه ناد فيهم أن قوموا بإذن الله تعالى، فنادى فقاموا يقولون سبحانک اللهم وبحمدک لا إله إلا أنت(تفسير البيضاوي، ج ا ص ۱۴۹، سورة البقرة)

طب وصحت

حکیم مفتی محمد ناصر

کان کی نعمت اوراس کے امراض

کان انسان کے لئے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمتوں میں سے ایک ہے، کان سے انسان سُننے کا کام لیتا ہے، کان کی بناوٹ میں نرم لچک دار کری، عضلات اوراعصاب شامل ہیں، کان کی بناوٹ اس طرح کی ہے کہ کان کا بیرونی حصہ، اندرونی حصے یعنی کان کے سوراخ اورکان کے پردے کے لئے پانی اورکسی دوسری چیز کے جانے سے حفاظت کا کام کرتا ہے، کان کا سوراخ قدرے ترچھا ہے، تاکہ ہوا کی تیز موجیں کان کے نازک پردے پر جا کر نہ لگیں، سوراخ کے ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے بیرونی تیز ہوا کان میں پیچ کھاتی ہوئی کمزور ہوکر کان کے پردے تک پہنچتی ہے، اسی لیے کانوں کو سرد ہوا کے جھونکوں سے بھی بچانا چاہئے، اورغسل کرتے وقت کان میں پانی لے جانے سے احتیاط کرنی چاہئے، اورغسل کرنے کے بعد کانوں کو احتیاطاً روئی یا کپڑے سے صاف کرلینا چاہئے، کان کے پردے پر چھوٹے چھوٹے بال نما رواں ہوتا ہے، یہ بھی کان کے پردے کی حفاظت کرتا ہے، غرضیکہ قدرت نے انسانی جسم کے دوسرے اعضاء کی طرح کان جیسے قیمتی عضو کی تخلیق بھی انتہائی حکمت سے کی ہے۔

کان سُننے کی قوت کا ایک آلہ ہے، جس کے ذریعہ ہوا کے واسطے سے ہم ہرطرح کی آوازیں سنتے ہیں، ہوا کی لہریں کان کے سوراخ میں سے گزر کر کان کے پردہ پر جا کرلگتی ہیں، اوردماغ ان آوازوں کو محسوس کرتا اورپہچانتا ہے۔

عام طور پر کانوں کی تکالیف میں آواز کم سنائی دینا، کان میں درد ہونا، کان میں کوئی غیر جنس کی چیز چلی جانا، کان میں کھجلی یا پھنسیاں نکل آنا، کان سے پیپ وغیرہ بہنا، کانوں کا بجنا یا کانوں میں شور سنائی دینا اورمختلف آوازیں آنا اوربہرا پن ہونا، یہ سب کانوں کے مختلف امراض ہیں۔

کانوں کی میل اورکم سنائی دینا: معمولی طور پر ہرشخص کے کان میں تھوڑا بہت میل ہوتا ہی ہے، لیکن بعض اوقات میل کے زیادہ ہوجانے کی وجہ سے کان کے سوراخ میں آواز جانے کا راستہ تنگ

ہوجاتا ہے، جس کی وجہ سے کم سنائی دینے لگتا ہے، لیکن کانوں کی میل کو کرید کرید کر نکالنا غلط ہے، اس میں ذرا سی بے احتیاطی ہوجائے تو کان کے پردے میں ورم بن سکتا ہے، جس کے بعد کان کے مختلف امراض پیدا ہونے کا خطرہ ہے۔

کانوں میں میل بننے کی وجہ گرد وغبار، مٹی اور صاف ستھرے ماحول میں نہ رہنا، غسل کرنے کے بعد کان صاف نہ کرنا، نزلہ وزکام کا رہنا یا بازاری غیر معیاری چیزیں کھانا ہے، بالخصوص والدین کو بچوں کے کانوں کی صفائی کرتے رہنا چاہئے۔کانوں کی میل صاف کرنے کے عام طریقوں سے تو ہر کوئی واقف ہے، اگر میل کی مقدار زیادہ ہو، تو رات کو گلیسرین کے دو قطرے کانوں میں ڈال دیں، صبح تک میل نرم ہوکر اوپر آجائے گی، صبح کو ہائیڈروجن پرآکسائیڈ کا ایک قطرہ ڈالنے سے کانوں کی میل جھاگ کی شکل میں اوپر آجائے گی، اسے روئی کی مدد سے اچھی طرح صاف کردیں، اس کے بعد کوئی روغن وغیرہ ڈالنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ روغن کی چکناہٹ دوبارہ میل کو پکڑ لیتی ہے، یہ عمل حسب ضرورت کچھ عرصہ بعد دوبارہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

کانوں میں درد اور کسی غیر جنس چیز کا چلے جانا: کان میں درد کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں، زیادہ عرصہ تک کان کی صفائی کا خیال نہ رکھنا، کان میں پانی کا چلا جانا، بہت زیادہ شور والی جگہ میں رہنا، یا کان میں زخم ہوجانا یا کان میں چوٹ وغیرہ لگ جانا، شور والی آوازیں سننا، کان میں سوزش یا ورم کا پیدا ہونا، وغیرہ، کان کے درد کا جو بھی سبب ہو، اس سبب کو دور کرکے ہی کان کے درد کا صحیح علاج کیا جاسکتا ہے۔

اسی طرح کانوں میں اگر کوئی غیر جنس کی چیز چلی جائے، جیسے عموماً بچے کھیلتے ہوئے کان میں کوئی چیز ڈال لیتے ہیں، ایسی صورت میں جلد بازی کے اندر بعض لوگ کان سے وہ چیز نکالنے کی کوشش میں، اس چیز کو مزید کے اندر دھکیل دیتے ہیں، جس سے تکلیف میں کمی آنے کے بجائے زیادتی ہوجاتی ہے، اس لئے ایسی حالت میں احتیاط سے کام لینا چاہئے، اور اگر کسی موچنے وغیرہ کی مدد سے وہ چیز نکال لینی چاہئے، یا پھر کسی تجربہ کار معالج سے اس سلسلہ میں مدد لینی چاہئے۔

کان میں کھجلی یا پھنسیاں: یہ مرض اکثر بچوں کو ہوتا ہے، کان میں سوزش اور ورم کے نتیجے میں مناسب علاج نہ کرنے کی صورت میں ﴿بقیہ صفحہ ۵۹ پر ملاحظہ فرمائیں﴾

اخبارِ ادارہ

مفتی محمد ناصر

ادارہ کے شب وروز

❑...... 25 / ربیع الآخر، بروز اتوار، مفتی صاحب مدیر کا نجی غرض سے بعض اراکینِ ادارہ کے ہمراہ اوکاڑہ، کا سفر ہوا۔

❑...... 15 / جمادی الاولیٰ، بروز جمعہ بعد نمازِ عصر مفتی صاحب مدیر نے، جناب محمد احمد صدیقی صاحب نبیرہ صوفی دین محمد صاحب (مرتبِ کتاب: شریعت وطریقت، مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ) کی دختران کا مسجدِ غفران میں نکاحِ مسنون پڑھایا۔

❑...... رَوات میں واقع ادارہ کی شاخ میں بقدرِ ضرورت تعمیر کا کام جاری ہے، اسی سلسلہ میں 20 / جمادی الاولیٰ، بروز بدھ مسجد سے متصل رہائشی کمرے پر لینٹرڈالنے کا کام مکمل ہوا۔

﴿بقیہ متعلقہ صفحہ ۵۸ ''ہونٹوں کے دانے، سیاہ پن اور ہونٹوں کا سرطان''﴾

بچے کانوں کو کھجلاتے رہتے ہیں، اور بالآخر کان میں دانے اور پھنسیاں بن جاتی ہیں، کان سے پیپ وغیرہ بہنے لگتی ہے، ایسی حالت میں بعض لوگ ٹوٹکوں سے مدد لیتے ہیں، اور تیل میں لہسن جلا کر کان میں ڈالتے ہیں، جو کہ غلط طرزِ عمل ہے، اس طرح کے ٹوٹکوں سے بعض اوقات فائدہ ہونے کے بجائے مزید نقصان ہوجاتا ہے، لہٰذا اس طرح کی بیماری میں بھی کسی تجربہ کار معالج سے علاج کرانا چاہئے۔

ایسے مریضوں کی خوراک کا بھی خصوصی خیال رکھنا چاہئے، ثقیل اور بادی غذاؤں کے بجائے نرم اور زود ہضم غذائیں استعمال کرنی چاہئے۔

کان بجنا: یہ مرض عموماً بڑے بوڑھوں کا ہے، اس حالت میں مریض کو کانوں میں مختلف طرح کی آوازیں سنائی دیتی ہیں، دماغ کے اندر ریاح اور بخارات کا غلبہ ہونے کی وجہ سے ریاح اور بخارات دماغ میں گھومتے ہیں، کبھی تیز ٹک ٹک کی آوازیں، یا گھوڑا دوڑنے کی آوازیں، یا ڈھول بجنے جیسی آوازیں کانوں میں سنائی دیتی ہیں، کمزور نظریے وعقیدے کے لوگ اسے کوئی جادو ٹونہ وغیرہ سمجھتے ہیں، حالانکہ کانوں میں اس طرح کی آوازیں سنائی دینا بھی دوسرے جسمانی امراض کی طرح ایک مرض ہے، جس کا صحیح تشخیص کے بعد مناسب علاج ہی حل ہے۔